لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۳۳

سیر الصحابہؓ کے حصۂ مہاجرینؓ کی دوسری جلد

مہاجرینؓ

حصۂ اوّل

جسمین

بقیہ حضرات عشرہ مبشرہؓ واکابر بنی ہاشم وقریش اور اُن حضرات صحابہؓ کے حالات سوانح اخلاق وفضائل اور اون کے مذہبی علمی سیاسی مجاہدات اور کارنامے ہین جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرینؓ کی تفصیل ہے

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

کیٹلاگر پبلک اورنٹیل لائبریری پٹنہ

باہتمام مسعود علی ندوی

سنہ ۱۳۴۷ھ مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈہ مین چھپی سنہ ۱۹۲۸ء

سیر الصحابہ

رسول اللہ صلعم کے بعد مسلمانون کے لیے صرف صحابہ کرامؓ کی ذات اسوۂ عمل ہے، لیکن ان کے حالات و واقعات اور اخلاق و عادات بھی اسی تنقید و تنقیح کے محتاج تھے، اور یہ سلسلہ بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھکر زیادہ تر قرآن و حدیث سے اخذ کرکے لکھا گیا ہے، اب تک اس کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہین، دو حصون مین انصارؓ کے حالات حروف تہجی کے مطابق لکھے گئے ہین اور مقدمہ مین انصارؓ کے نسب، تمدن وغیرہ کے متعلق مستند مباحث ہین ایک حصے مین صرف صحابیاتؓ، ازواج مطہراتؓ و بنات طیباتؓ کے حالات مذکور ہین، اس سلسلے کے اہم ترین دو حصے وہ ہین جو اسوۂ صحابہؓ کے نام سے شائع ہوئے ہین اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر عربی فارسی مین نہین ملتی، یعنی اس کے پہلے حصے مین صحابہ کرامؓ کے عقائد، اعمال، عبادات اور اخلاق و معاشرت وغیرہ کے متعلق نہایت مستند اور پر اثر واقعات درج کئے گئے ہین جو بیشتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہین،

دوسرے حصہ مین صحابہ کرامؓ کے سیاسی، مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل کیگئی ہے، اور اس مین بھی زیادہ تر احادیث سے کام لیا گیا ہے صحابیاتؓ کے متعلق اس قسم کے جو واقعات تھے ان کو الگ کرکے ایک مستقل رسالہ مین جمع کر دیا گیا ہے، جو لوگ عہد رسالت، اور عہد صحابہ کی تمام اخلاقی مذہبی سیاسی اور علمی برکتون سے مستفید ہونا چاہتے ہین، ان کے لیے سیرت کیساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ بھی از بس ضروری ہے،

قیمت:- اسوۂ صحابہؓ جلد اول [illegible]، جلد دوم [illegible] سیر الانصار حصہ اول [illegible]
حصہ دوم [illegible] سیر الصحابیاتؓ [illegible] اسوۂ صحابیاتؓ [illegible]

فہرست مضامین مہاجرین حصہ اوّل

فہرست اسمائے مہاجرین حصہ اول

بہ ترتیب حروفِ تہجی

فہرست اسماء بلحاظ ترتیب کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات مین ہی، جو فتح مکہ کے پہلے اسلام لائے، چونکہ اسلام مین ان بزرگون کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لیے ان کو سب سے اول جگہ دیگئی، اور ان مین بھی چارون خلفائے راشدین رض کے بعد جنکے حالات مین ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ رض مین سے باقی چھ بزرگوار اس جلد مین مذکور ہین، اور ان کو تمام مہاجرین رض مین سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہی،

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباس رض اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہمنام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے لکھا ہے، آیندہ حصہ تمام دکمال انھین کا ہوگا،

کتاب مین دو فہرستین لگائی گئی ہین، ایک مین کتاب کی ترتیب کے مطابق نامون کی فہرست ہے، اور دوسری مین حروف تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہین، تاکہ تلاش و مراجعت مین لوگون کو آسانی ہو،

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین

۲۳ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مورخینِ اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں، عاربہ اور مستعربہ،

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہیں، جن کا زمانہ اسقدر قدیم ہے، کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جابجا ان کا ذکر آجاتا ہے، یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں، جو یمن اور اُسکے قرب وجوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو، وغیرہ مشہور ہیں، اُن کے حالات کثرت سے ملتے ہیں، اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں،

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، اور یہی ہمارا موضوعِ بحث ہے، کہ اسی سے سلسلۂ اسمٰعیلی کی ابتدا ہوئی، جنمیں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل اور

اپنی بیوی ہاجرہ کو" وادیِ غیرِ ذی زرع" مین بسایا، تو وہان اسوقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان مین حضرت اسمٰعیل ع نے شادی کی، اور ان سے جو نسل چلی، وہ "عرب مستعربہ" کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسمٰعیل ع کے گیارہ اولادین ہوئین جن مین ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل مین سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل، اور مہاجرین کے اکثر قبیلون کا سلسلہ نسب عدنان ہی تک آکر منتہی ہوجاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دورون پر منقسم ہوجاتا ہے، ایک حضرت اسمٰعیل ع سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک، اور تیسرا فہر سے آخر تک، مہاجرین کے حالات مین اگرچہ پہلے اور دوسرے دورون کا تذکرہ کرنا ضروری نہین ہے، اور صرف قریش کے حالات کا لکھدینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیان سامنے آجائین پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسیقدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہین،

دورِ اوّل

حضرت اسمٰعیل ع کی گیارہ اولادون مین نابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ مین مختلف الرائے ہین، کہ عدنان آل نابت سے تھا، یا آل قیدار سے، بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہین، اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے، کہ عدنان کا سلسلہ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفدار نے اس اختلاف کو لکھکر اسی قول کو ترجیح دی ہے[1]، قیدار اپنے تمام بھائیون مین زیادہ ممتاز اور نامآور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے ہتی کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان یعنی آنحضرت صلعم اسی کی نسل مین پیدا ہوئے الہامی صحائف مین قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک

[1] ابوالفدار جلد اصفحہ ۱۰۶

جری وبہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین کہ "قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی، اور تیر اندازون کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر، لوگ گھٹ جائینگے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یون فرمایا" (یسعیاہ باب ۲۱ آیۃ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت وشجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیان کی بستیان آباد تھین، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین "قیدار کی آباد بستیان اپنی آواز بلند کرین گی" (یسعیاہ باب ۴۲ آیۃ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویون کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیان منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگون کو منتظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہین پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسمٰعیل مین بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، اور بنو اسمٰعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمٰعیل کے اطاعت گذار رہے[۱]، آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی، اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان مین پائے جاتے تھے، اور تنہا بھیڑ بکریون کی کھال اور دودھ پر انکی زندگی کا دارومدار نہ تھا، اس سے ترقی کرکے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہین "عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ مین تیرے علاقہ مند تھے، وہ برے اور مینڈھے اور بکری لیکے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیۃ ۲۱) اسمٰعیلی قبائل نے تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لیکر ملکون ملکون پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف ع کو کنوئین سے نکالا تھا، اسمٰعیلی تھا، اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا، چنانچہ توراۃ مین ہے کہ "جب حضرت یوسف ؑ نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمٰعیلیون کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹون پر لادے ہوئے ہے،

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۲۵۴

کہ انہیں مصر کو لیجائے، (پیدایش باب ۳۷ آیۃ ۲۵) اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتین سونے کے زیورات استعمال کرتی تھین، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان مین تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ مین ایک موقعہ پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے "جدعون نے انھین کہا کہ مین تم سے ایک سوال کرتا ہون، اور وہ یہ ہے کہ تم مین سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے، کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے، اسلئے کہ وہ اسمٰعیلی تھے"

(قضاۃ باب ۸ آیۃ ۲۴)

ان مذکورۂ بالا شہادتون سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور مین نہ تھے بلکہ اس سے نکلکر تمدنی شاہراہ اختیار کرلی تھی یعنی ان مین دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتین سونے کے زیورات استعمال کرتی تھین،

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفون کی شہادتین ہین، ہماری تاریخون مین بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہین، اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسمٰعیل کی ابتدائی تاریخ خانۂ کعبہ سے وابستہ ہے، اسلئے ہم بھی خانہ کعبہ ہی کی روشنی مین ان کے حالات تلاش کرتے ہین، خانۂ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل مین بہت بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اسکا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظون مین کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی،

حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہوگیا، کیونکہ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد مین نفوس کی کثرت ہوئی، اور ارضِ حرم مین اتنی گنجایش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن مین سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب مین پھیل گئے، اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی

کے لیے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے، اور اس صغر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہیں ادا کر سکتے تھے، حضرت اسمٰعیل کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہوگیا، اور مضاض جرہمی سرفائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے[1]،

وکنا ولاۃ البیت من بعد نابت   نطوف بذاک البیت والامر ظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھکر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا، اور مضاض جرہمی سے آمادۂ جنگ ہوگیا، مگر شکست کھائی، اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا، اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی، کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا، اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگونکو طرح طرح سے ستاتے، غرضکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتونکو دیکھتے تھے، مگر اول تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے، کہ ان کے اخراج میں خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھکر بنو بکر اور غبشان نے سختی سے اسکا تدارک کیا، یہانتک کہ جنگ کی نوبت آئی، اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کیطرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستون سے پاک کر دیا، شکست خوردہ تو تھے ہی، انھوں نے چلتے چلتے حجر اسود اُکھاڑ کر اسکو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کوئین کو پاٹ دیا[2]،

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسمٰعیل میں لوٹ آئی، اور چند پشتون کے بعد عدنان تک پہونچی، ابھی عدنان کا دور تھا، کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا،

---

[1] ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۰۵،

[2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۴، ۶۵،

جس سے عربون کی قوتین ٹوٹ گئین، سارا عرب ویران ہوگیا، اور تمام ملک مین خاک اڑنے لگی، عدنان اسی حملہ مین مارا گیا، مگر اسکے لڑکے معد کو ارمیانبی نے بچا لیا، جس سے آیندہ نسل چلی[1]،

دور دوم

پہلے دور مین حضرت اسمٰعیلؑ سے لیکر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہین، دوسرے دور مین عدنان سے فہر تک کسیقدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلۂ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلۂ نسب باتفاقِ نسابین حضرت اسمٰعیلؑ تک پہونچتا ہے، لیکن درمیانی پشتون کی تعداد اور انکے نامون مین اختلاف ہے: اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے، کہ وہ عبری سے عربی مین منتقل ہوئے ہین، اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان مین جاتے ہین، تو لا محالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہین رہتی، اسلئے یہ اختلاف قابلِ توجہ نہین ہی البتہ درمیانی کڑیون کی تعداد کا اختلاف ضرور قابلِ لحاظ ہے، بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتین بتاتے ہین، اور بعضون کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہونچ جاتی ہے، اور یہی آخری قول صحیح ہے، کیونکہ اگر صرف نو دس پشتین مانی جائین، تو عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہجاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہیلی روضۃ الانف مین لکھتے ہین، "کہ عادۃً محال ہو کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتین یا دس بیس پشتین ہون، کیونکہ ان دونون کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے[2]"

یہ تو قیاس عقلی ہے، اسکے علاوہ بہت سے علماء عرب مین ایسے تھے جنکو چالیسون پشتین برزبان یاد تھین، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہین کہ مجھسے بعض عرب نسابون نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹، [2] روض الانف ص۸ جلد ۱ مطبوعۂ مصر،

علماے عرب کو جانتے ہین جنکو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتین تام بنام حفظ تہین، اور وہ اسپر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے، اوران نسابون نے، علماء کے محفوظ نامون کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے نامون سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے نامون مین اختلاف ہو گیا تھا،،[1]

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربون کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تہا، اسلئے انہون نے صرف مشہور لوگون کے نام یاد رکھے، اور پورا سلسلہ محفوظ نہین رکھا لیکن بہرحال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے، کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چالیس پشتین تھین،

قبائلِ عدنان[2] عدنان کی اولاد اس کثرت سے پہلی کہ اسکا استقصار اس دیباچہ مین مشکل ہے اور ہمارے موضوعِ سخن کے لئے وہ زیادہ کارآمد بھی نہین ہے، اسلئے ہم ان کے مشہور قبائل؛ اور ان مین سے بھی خاصکر اونہین کا تذکرہ کرینگے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائلِ عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن مین آجائیگا، اور آیندہ جہان جہان قبائل یا اشخاص کے نام آئینگے، وہان اسکے سمجھنے مین دقت نہ ہوگی،

عدنان کے دو لڑکے تھے، عک اور معد، مگر آیندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پہلی؛ اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جنکو تاریخ عرب مین بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر، انہین سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد، دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی،

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادین ہوئین، جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے، اور نہایت

---

[1] طبری صفحہ ۱۱۱۸، [2] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے،

دنیاوی اعزاز حاصل کیا، اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل وبطون یہ ہیں، بنو جدیلہ، نہب بن افصے (خاندان حضرت صہیبؓ) بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ، پھران سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں،

قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں، مگراز روے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان وشوکت حاصل کی، حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران، اور اسلم، انہیں تینوں سے تمام بطون وشعوب پھیلے،

بنو عمرو کے مشہور بطون عیدآن، بلی (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع، ابوبردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسودؓ کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں،

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو ضجعم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں، پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے،

مضر بن نزار بطون وقبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے، مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان انہیں دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا،

بطون خندف بن الیاس بن مضر	الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طابخہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی

ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اسلئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے، اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق، بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہینہ وغیرہ نکلے ہیں،

اور بنو افصے سے بنو مالک، اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اسکے قرب وجوار مین آباد تھے،

طانجہ کے مشہور بطون وقبائل ضبتہ، رباب، تیم اور مزینہ (بجیر وکعب مداح رسول اکرمؐ ومعقل بن یسارؓ کا خاندان) ہین، چھوٹے بطون مین صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تیم کی شاخین بنو حارث، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حنظلہ بن ربیع کاتب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہین، یہ سب عراق اور نجد مین آباد تھے،

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد، اور کنانہ ہین، پھر بنو اسد سے بنو کاہل، بنو غنم (ام المومنین حضرت زینبؓ اور عکاشہ بن محصن کا خاندان)، بنو ثعلبہ وغیرہ سے نکلے، یہ بھی اضلاع نجد مین آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد مناۃ، بنو مالک، اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث، اور بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداخ کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان) بنو خزاع وغیرہ پیدا ہوئے،

بطون قیس عیلان | بنو خندف کیطرح بنو قیس سے بھی بطون وشعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا قیس عیلان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب، اور خفصہ، ان تینون سے الگ سلسلے چلے،

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہین، ان دونون کی اولادین طائف اور نجد مین بستی تھین،

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان، بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنانؓ) پھر بنو عبس سے بنو حارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمانؓ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو فزارہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سمرہ بن جندبؓ)

بنو خفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنو سلیم، اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن

(خاندان عتبہ بن غزوان) بھی بنو خفصہ کا ایک بطن تھا، مگر اسکی مستقل ہستی نہ تھی، بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت مین تھا،

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداس)، بنو ثعلبہ، بنو بہز (خاندان حضرت حجاج بن علاط)، بنو زغبہ، بنو عوف، بنو سلیم، ان مین سے کچھ نجد کے بالائی حصہ مین آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف مین، اسکے علاوہ افریقہ مین ان کی بڑی تعداد تھی،

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت صلعم کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا)، پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جشم، بنو سعد وغیرہ ہین، یہ سب کے سب طائف مین آباد تھے، اور بنو معاویہ سے بنو نصر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان مین بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے،

قبائل کی تقسیم مین بعض خاندانون کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے، اور بعض مین صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخون کو منسوب کر دیا گیا ہے، اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہین کی گئی ہے، اور نہ درمیانی واسطون کا ذکر کیا گیا ہے،

عدنانی کی حکومتین | بنی عدنان نجد، حجاز، اور تہامہ مین آباد تھے، اور ابتداءً اسب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہان شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہین خیمہ زن ہو جاتے، اونٹ اور بکریون کے گلے ان کا ذریعۂ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت مین رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اسکی اولاد مین اس قدر کثرت ہوئی، کہ قدیم اقامت گاہین ان کے لئے کافی نہوسکین، چنانچہ عدنان کی پانچون شاخین اپنے اپنے مستقر سے نکلکر تمام اطراف مین پھیل گئین، ان مین سے ربیعہ، قضاعہ، اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتین اور چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کین، جو صدیون تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہین، چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتین حجاز سے لیکر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی

تھین[۵۱]، اوران کے حکمران قبائل مین تنوخ اور سلیم نے بڑا جاہ وجلال حاصل کیا، اوردونون یکے بعد دیگرے شام کے تختِ حکومت پر بیٹھے[۵۲]، شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اوردومۃ الجندل مین بھی ان کی ریاستین تھین[۵۳]، بنو قضاعہ کیطرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اوران کا اقتدار تمام قبائل مین مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہارِ سیادت اورتفوق کے لیے اپنا ایک شعار مخصوص کرلیتے تھے، جو تمام قبائل کے لیے واجب التسلیم ہوتا تھا، اورکوئی قبیلہ اسکی مخالفت کی جرأت نہین کرسکتا تھا حتی کہ اس کی ادنیٰ مخالفت بھی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی[۵۴] آل مضر مین بکر وتغلب کی ریاستین حجاز مین تھین، اوربنو عامر کی حکومت عراق مین تھی[۵۵] ان کے علاوہ نجد مین کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی، اگرچہ علماے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہین، مگر قیاسات وقرائن کی روسے نسباً وہ عدنانی ہین، اس کی بڑی دلیل یہ ہے، کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان مین شاعری کرتا تھا، اوراسکے کلام مین حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ مین کہتا ہے[۵۶]

حمیر معد حسبا ونائلا ۔۔۔ وحجرہم قد علموا اشمائلا

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح مین کہتا ہے،

وانا الذی عرفت معد فضلہ

اسکے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار مین ذکر کیا ہے، مگر کہین ہم نسبی کا دعویٰ نہین کیا،

عدنان کی تجارت، | اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربون

[۵۱] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۴۹، [۵۲] ایضاً، [۵۳] ایضاً،

[۵۴] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۴، [۵۵] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰،

[۵۶] ارض القرآن، جلد ۲ صفحہ ۱۰۸

کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت میں موجود تھے، اور بخت نصر نے پہلے انہیں کو گرفتار کرایا تھا[1]،

آل عدنان کا مذہب دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا، اور خانۂ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کی عتبۂ توحید پر ناصیہ سائی کریں،

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ
لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ
وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ
مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ،
(حج ۴)

اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا، تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے اس گھر کو طواف کرنیوالوں، نماز میں کھڑے ہونیوالوں، رکوع کرنیوالوں، اور سجدہ کرنیوالوں کے لئے پاک و صاف کرنا، اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہوجانیوالی سواریوں پر دور دراز راستے سے آئیں گے،

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دینِ ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا، اور اس نسل میں عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی، اور خانۂ کعبہ میں متعدد بت لاکر نصب کئے[2]، چونکہ خانۂ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا، اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے، اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلبِ توحید میں نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی قبول کرلی، اور چند ہی دنوں میں یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی، اسکی

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۷، [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۷،

تفصیل آیندہ قریش کے حالات مین آئے گی، بت پرستی کے علاوہ عدنانیون مین یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جابجا موجود تھا، چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ مین نصرانیت کا اثر غالب تھا، بنی کنانہ مین یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم مین مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونون مین کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے[1] کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کر چکے تھے، انہین کے متعلق قرآن مین آیا ہے،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	اور یہ لوگ کہتے ہین، کہ جو کچھ ہے، بس یہی ہماری دنیا کی
نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ	زندگی ہے، اور ہم مرتے ہین اور جیتے ہین، اور ہم کو صرف
(جاثیہ ع ۳)	زمانہ ہی مارتا ہے،

اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان مین غالب تھا، مگر خال خال، ان کا عام مذہب بگڑا ہوا ابراہیمی تھا[2]

ایام عدنان آل عدنان مین صدہا خونریز جنگین ہوئین، اور ادنی ادنی سی باتون پر صدیون تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان مین اخوۃ اور مواساۃ کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، تو عجب نہین کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی، یہ لڑائیان ایام عرب کے نام سے مشہور ہین، اور دو قسم کی ہین، ایک وہ لڑائیان ہین، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئین، اور دوسری خود عدنانیون کی خانہ جنگیان ہین،

آل عدنان کی لڑائیان دوسری نسل والون کیساتھ عدنانیون مین خانہ جنگیون کے علاوہ دوسری متعدد جنگین بھی ہوئین، جن مین، یوم بیضا، یوم خزاز، یوم صفقہ، یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ

---

[1] طبقات الامم اندلسی صفحہ ۴۳

[2] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۴،

مشہور ہین، یوم بیضا بنو مذحج یمنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی، جس مین یمن والون نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیون کے درمیان ہوئی، اس مین بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی مین ہوئی، اس مین اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دہوکے سے قتل کرا ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اسمین تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس مین عجمیون نے بہت بُری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربون مین یہ مثل مشہور ہے کہ ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم یعنی پہلا دن تھا جسمین عرب عجم پر غالب ہوئے[۱]،

عدنانیون کی خانہ جنگیان | عدنانی قبائل مین بے شمار خانہ جنگیان ہوئین جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیون کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہین،

ایام بکر و تغلب | ایام عرب مین بکر و تغلب کی لڑائیان بہت شہرت رکھتی ہین، اس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ سے ہوئی، اور چالیس سال تک اسکا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیان حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہین، اسمین پانچ لڑائیان بہت زیادہ شہرت رکھتی ہین، یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم حنو، یوم قصیبات، یوم قضہ پہلی مین طرفین برابر رہے، دوسری مین تغلب بنو بکر پر غالب رہے، تیسری مین بکر تغلب پر فتحیاب ہوئے، چوتھی مین بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ نقیع جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان ہوئین[۲]،

ایام عبس و ذبیان، | عبس و ذبیان کی لڑائیان داحس و غبرا کے نام سے مشہور ہین، داحس اور غبرا دو گھوڑے تھے، انہین کا مقابلہ بنائے فساد ہوا، اور اس سلسلہ مین متعدد لڑائیان ہوئین، جن مین یوم عراعر، یوم ہباۃ

---

[۱] ابن اثیر ایام عرب، [۲] ابن اثیر صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۷،

یوم تواز، یوم جراجر، یوم عزق، وغیرہ زیادہ مشہور ہین[1]،

ایام ربیعہ ومضر | بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربعی مین بہت لڑائیان ہوئین، مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم نباج، یوم وثیل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان لڑائیون مین بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زوبرین، یوم نعف قشاوہ، یوم مبائض، یوم شیطین ان مین بنو بکر نے شکست کھائی، اور بنو تمیم فتحیاب ہوئے، ان لڑائیون کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم لقیعہ وغیرہ ہوئین[2]،

ایام بنو عامر | بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا، اور قبائل عرب مین ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیان ہوئین، جنمین مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم شعب جبلہ یوم ذی نجب، یوم نسار، یوم جفار، یوم مروت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم مین ہوئی، پہلی مین عامر غالب رہے، دوسری مین تمیم[3]، یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی انہین دونون مین ہوا، اسمین بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے، تاہم ان کا بہت نقصان ہوا[4]، یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان مین ہوئی، اور غطفان غالب رہے[5]،

دیگر ایام مشہورہ | یوم اباغ منذر بن ماء السماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی[6]، یوم کلاب اول ایام عرب مین بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کندی کی اولاد مین ہوئی، جس مین معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے[7]، یوم رحرحان، اس جنگ مین بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے[8]، یوم اوارۃ الاول بنو منذر بن امرء القیس اور بنو بکر بن وائل مین ہوئی[9]،

۱ تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۳، ۲ ایام عرب ابن اثیر جلد ۱، ۳ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۳۵،
۴ ایضاً صفحہ ۳۴۶ ۵ ایضاً صفحہ ۴۰۲، ۶ ایضاً صفحہ ۳۹۸ ۷ ایضاً صفحہ ۴۰۰، ۸ ایضاً صفحہ ۴۰۹،
۹ ایضاً صفحہ ۴۰۸،

دور سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے، "قریش" فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا، مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کیطرف منتقل ہو گیا اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے، اور "تقرش" تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اسلئے بنو نضر کا خطاب قریش پڑ گیا، اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے، جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے،[1]

قبائل قریش اور انکے مشاہیر[2] قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہیے، قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے، بلکہ چھوٹے بڑے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور نامورانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب، کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب سے تھے،

عشرہ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، فاتحِ افریقہ بانیِ شہر قیروان اور عبد الملک بن قطبی والیِ اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے،

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۲۳، و روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷۰ [2] قبائل قریش کی تقسیم، ابن خلدون جلد ۲، از صفحہ ۳۲۳ تا ۳۰۰ سے ماخوذ ہے،

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے انکی نسل سے تھے،

بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح، بنو سہم،

مشاہیر قریش، | بنو امیہ = خاندانِ سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابو سفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ ام المومنین ام حبیبہؓ،

بنو عدی = خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زیدؓ، جو عشرہ مبشرہؓ میں سے ایک تھے،

بنو تیم = خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ، عمر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن جدعانؓ وغیرہم،

بنی عبد دار، حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ،

بنی اسد = زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ،

بنو مخزوم = خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابو سلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ،

بنو جمح = صفوان بن امیہ، ابو محذورہ، موذن نبی صلعم، عثمان بن مظعونؓ،

بنو سہم = عمرو بن العاصؓ فاتح مصر،

بنو ہاشم = خاندانِ رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ،

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو انہیں کی شاخ سمجھنا چاہیئے،

بنو زہرہ = خاندان حضرت آمنہ، وعبد الرحمن بن عوفؓ، وسعد بن وقاصؓ،

بنو عبد العزیٰ = خاندان ابو العاص داماد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،

بنو حبیب = خاندان عبد اللہ بن عامر والیِ عراق،

بنو امیہ اصغر،

قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویون کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے،

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ مین آباد تھے، اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے،

ظواہر	بطائح
بنو قصی بن کلاب	بنو محارب
بنو کعب بن لوی	بنو تیم الادرم
	بنو خزیمہ بن لوی
	بنو سعد
	بنو حارث

ایام قریش

عام عربون کیطرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلوارین نکل آتی تھین، ادنیٰ ادنیٰ باتون پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیون مین سے بعض یہ ہین،

یوم فجار اول | یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرضدار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اسکو ادا نہ کر سکتا تھا، نضری قرضخواہ ایک بندر کو بازار عکاظ مین لیکر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنیکے خیال سے کہا، کہ

اس بندر کو کنانی قرضدار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے، اتفاق سے ایک کنانی ادہر سے گذر رہا تہا، اُس نے سن لیا، اور غصہ مین بندر پر ایسی تلوار لگائی، کہ وہین ٹھنڈا ہوکر رہگیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی، اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے، مگر جنگ کی نوبت نہین آئی، اور آپس مین صلح ہوگئی، یہ واقعہ متعدد صورتون سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے،

یوم فجار ثانی

حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اسکا واقعہ یہ ہے، کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا، اسکے قبیلہ والون نے اسکو نکال دیا، یہ اپنے قبیلہ سے نکلکر نعمان بن منذر کے یہان آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا، اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ مین بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہان موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بہی وہین موجود تھا، یہ شخص سلاطین و امرا کے دربارون مین بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا، مین کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہون، تم مین سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے، عروہ اور براض دونون نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور اس مسابقت مین سخت کلامی کی نوبت آگئی، مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اسلئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لیکر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اسکے پیچھے ہولیا، اور موقعہ پاکر اسکو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشتہر ہوئی، تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دہوکے سے قتل کر دیا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا، اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ مین نے عروہ کو قتل کیا ہے، بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لینگے اسلئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ مین ملا، اس نے تمام رؤسائے قریش کو خبر کر دی، اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا،

ابھی طرفین مین صلح کی گفت شنید ہو ہی رہی تھی، کہ قریش کے کچھ لوگون کو یہ غلط خبر ملی، کہ قریش اور بنو قیس مین جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سُنکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اسلئے ایک جمعیت لیکر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پاؤن اکھڑنے ہی کو تھے، کہ بڑھکر حرم مین داخل ہوگئے، اور بنو قیس واپس ہوگئے، مگر یہ کہتے گئے کہ آیندہ سال عکاظ مین ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر مین دونون نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ مین سخت مقابلہ ہوا، ابتداءً قریش پس پا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم وثبات نے جنگ کا رُخ بدلدیا، اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی، آخر مین اس شرط پر صلح ہوگئی، کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائین جس کے زیادہ ہون، بقدر زیادتی دوسرا اسکی دیت ادا کرے، اس جنگ مین آنحضرت صلعم بھی شریک تھے، اور آپ کا سن مبارک ۲۰ سال کا تھا،[1]

واقعۂ فیل اصحابِ فیل کا واقعہ آنحضرت صلعم کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہگئی، اسکا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ الاشرم نے یمن مین ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا، اور نجاشی اور قیصرِ روم کو لکھا، کہ مین نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے، اور مین چاہتا ہون کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اسطرف پھیر لون، عربون نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے اور اسی حالتِ غضب مین ایک کنانی نے کنیسہ مین نجاست ڈالدی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اسکے بدلہ مین خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہونچکر لوٹ مار شروع کردی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ، چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہین کرسکتے، اسلئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اسوقت عبد المطلب تھے،[2] اسلئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہین، اگر تم اس مین کسی قسم

[1] ابن اثیر جلد ۱، ۴۴۴، ۴۴۴، [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۰، ۳۵،

کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہمکو تم سے لڑنے کی ضرورت نہین ہے، عبد المطلب خود گئے اور جا کر کہا، کہ ہم مین اتنی طاقت نہین ہے، کہ تمہارا مقابلہ کر سکین، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اسکو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچا لیگا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبد المطلب واپس آئے، اور قریش کو محفوظ مقامات مین بھیجدیا، اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائین مانگین، اور چلے گئے جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچا لیا[1]، اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیون مین چیچک کی بیماری پھیلی، اور اللہ تعالی نے ان پر پرندون کا جھنڈ بھیجا،

ایک جنگ قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ مین تولیت حرم کے بارہ مین دو لڑائیان ہوئین، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ مین آیا، تو حرم کے متولی بنو صوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کیساتھ عقبہ گیا اور بنو صوفہ سے کہا، کہ تولیت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہین، مگر انھون نے انکار کر دیا، جسپر طرفین مین جنگ ہوئی، اور بنو صوفہ نے شکست کھائی، بنو خزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو انکو یقین ہوگیا، کہ قصی عنقریب صوفہ کیطرح انکے اختیارات بھی سلب کر کے انکو حرم سے الگ کر دیگا، اسلئے بنو بکر کو لیکر قصی سے علیحدہ ہوگئے، اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دین، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضکہ دونو مین سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزارون آدمی کام آئے جب دونون خوب لڑ کر تھک گئے، تو معمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا، اسنے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے، وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے، اور بنو بکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اسپر طرفین راضی ہوگئے،[2]

یوم ذات نکیف چونکہ قصی بنو بکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بیدخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اسلئے قبیلہ بنو بکر مین قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا، آخر کار عبد المطلب کے زمانہ مین دفعۃً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انہون نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکالدین، اور جنگ کی تیاریان شروع کر دین، ادہر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئے، عبد المطلب نے بنو ہون، بنو حارث، اور بنو مصطلق کو جمع کر لیا، اور[3] ذات نکیف مین دونون کا مقابلہ ہوا، بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے، اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۰ تا ۳۵، [2] طبری صفحہ ۱۰۹۲ تا ۱۰۹۷، [3] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۴۸

خانۂ کعبہ کی مرمت

خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اسکا واقعہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی عمارت امتدادِ زمانہ سے بہت کمزور ہوگئی تھی، دیواریں لپست تھین چھت گرگئی تھی، اس لئے قریش نے اسکو منہدم کرکے ازسرِنو تعمیر کرنیکا ارادہ کیا، اور اسقدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہین لگایا، جب دیوارین اس قدر بلند ہوگئین، کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش مین سخت اختلاف ہوا، کہ اسکا شرف کسکو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا، کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش مین گذرے، آخر مین یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد مین داخل ہو، وہ حکم مانا جائے حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت صلعم داخل ہوئے سبنے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت صلعم اس سے بے خبر تھے، آپکو اطلاع دی گئی، تو آپنے رفع شر کی بہترین صورت نکالی، کہ ایک چادر بچھاکر حجر اسود کو اسمین رکھ دیا، اور فرمایا، کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنۂ عظیم رک گیا۔[1]

قریش کی سیاسی خودمختاری

مکہ چونکہ حجاز مین تھا، اسلئے وہ عرب کے دوسرے صوبون کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا، اور اسی اہمیت کی وجہ سے قدرۃً آس پاس کے حکمرانون کی نظرین اس طرف اٹھتی تھین، چنانچہ عجمی سلطنتون مین روم اور ایران نے اور عربون مین حمیری اور حبشی حکومتون نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہین، یہانتک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے، کہ بکہ تبک سے مشتق ہے، جسکے معنی ہین نخوت اور غرور توڑنا، اور سرکشون کی گردن جھکانا، چونکہ مکہ کی تسخیر مین

[1] سیرۃ ابن ہشام

مین بڑے بڑے جبابرہ کی گردنین جھک جاتی تھین اسلیئے اسکو بکہ کہنے لگے[1] بہرحال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا حتی کہ وہان خود عربون کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل مین کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تہا بلکہ عام غیر متمدن اقوام کیطرح ایک سردار کی ماتحتی مین زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ مین جہان بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا، جسکے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آیندہ چلکر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اسکا دارومدار اسی خانہ کعبہ پر تہا، قبائل کے آزادپسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہون مین بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا،

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع وحشت اور تمدن کی بھی طبعی عمر ہوتی ہے جسکو ختم کرکے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور بھی ختم ہوا، اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ نہ کچھ متمدن تھے لیکن عام طور پر ان مین بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچوین پشت مین کلاب بن مرہ کی پشت سے قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، مان نے قبیلہ بنی عذرہ مین دوسری شادی کر لی، قصی کی بھی نشوونما وہین ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیون مین رہنا گوارا نہ کیا، مان کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت وعظمت کا حال معلوم کرکے، فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیال والون نے ہاتھون ہاتھ لیا، اسوقت حرم کی ولایت حلیل بن جبشیہ خزاعی کے ہاتھ مین تھی، قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی، جب حلیل مر گیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنوخزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش وکنانہ کو آمادہ کرکے بنوخزاعہ کو لڑکر

[1] معجم البلدان صفحہ ۱۳۴ جلد ۸،

حرم سے نکالدیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اسلئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا، کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہین، کوئی پہاڑون پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان مین کوئی نظام ہے، اور نہ اصول، جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑون اور صحراؤن سے اکٹھا کرکے ایک جگہ آباد کیا، اسی لئے اسکو مجمع بھی کہتے ہین، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اسکو منتظم صورت مین قائم رکھ سکے، اسلئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا، اور یہ پہلا دن تھا، جبکہ قریش کو حجاز مین سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے، کہ قصی پہلا شخص ہے جسکی اطاعت تمام قبائلِ قریش نے قبول کی، اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا[۱]،

قریش کا تمدّن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا، کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علحدہ علحدہ منتظم صورت مین قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی، اور مذہبی نظام علحدہ علحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت مین ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبون مین ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان مین بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے قدیم صیغون کو ترقی دیکر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغون اور عہدون کی تقسیم حسبِ ذیل تھی[۲]،

نظام عسکری قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے، عقاب، قبّہ، اعنّہ، سفارہ،

---

[۱] طبری صفحہ ۱۰۹۷، سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۶۹،

[۲] عقد الفرید جلد ثانی صفحہ ۱۳۱ مین یہ مناصب بلا ترتیب بیان کئے گئے ہین،

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشان قومی کی علمداری	بنوامیہ
قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اسکی دیکھ بھال	بنومخزوم
اعنّہ	فوج کی سپہ سالاری	؍؍
سفارت	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنو عدی

عدالتی نظام — اسکے دو شعبے تھے، حکومت و اشناق،

نام عہدہ	توضیح	قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنوسہم
اشناق	جرمانہ خونبہا، اور مالی تاوان کی نگرانی	بنوتیم

نظام مذہبی — قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا، اسپر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت مین جمع ہوتا تھا اس بنا پر اسکے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اسکا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا، اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رفادہ، سدانہ، ایسار، اموال محجرہ، سقایہ، اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے، اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق

سقایہ یعنی حج کے موسم مین لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی،

رفادہ، یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبر گیری، اس کار خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایکدن اسنے تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی، کہ برادران قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہین کتنی مصیبتین اٹھا کر بڑی بڑی مسافتین طے کرکے محض زیارت بیت اللہ کے خاطر آتے ہین، اور خدا کے مہمان ہوتے ہین، اور تم اپنے آپ کو جیران اللہ خدا کے پڑوسی کہتے ہو، کیا

تمہارا اسقدر بھی فرض نہین کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو، مفلسون کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو، اور ہر طرح ان کی آسایش کا سامان بہم پہنچاؤ، اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا، اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کردی، جو حجاج پر صرف ہوتی تھی[1] اسکا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا،

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی اسلئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال مین خاص اہتمام تھا، اور اسکے لئے علحدہ عہدہ عمارہ قائم کیا تھا جسکے منتظم بنو ہاشم تھے،

سدانہ۔ خانہ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا، اور اس مین بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا، اسلئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات مین کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عذار کو حاصل تھا،

ایسار۔ خانہ کعبہ مین کچھ تیر رکھے ہوئے تھے جن سے ضرورت کیوقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی،

اموال محجرہ۔ حجاج و زائرین کعبہ بتون پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے، اور جائدادین وقف کرتے تھے، اسلئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا جسکو اموال محجرہ کہتے تھے، اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی،

ندوہ | دار الندوہ ایک عمارت تھی جسکو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اسمین اہم کامون کے وقت قریش جمع ہوکر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہین انجام پذیر ہوتی تھین،

مشورہ | اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتے تھے تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کیلئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہین انجام پاتا تھا،

حلف فضول | عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے انسداد مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی

[1] طبری صفحہ ۱۰۹۶ [2] ایضاً،

جسکا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنوزبید کا ایک شخص مکہ مین کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص بن وائل نے خرید لیا، مگر اس کی قیمت نہین ادا کی، وہ بیچارہ قبائل قریش کے پاس فریاد لیکر گیا، مگر عاص بن وائل کی وجاہت سے اس کی فریادرسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانۂ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھکر اپنی بیکسی ظاہر کی، زبیر بن عبدالمطلب پر اسکا بہت اثر ہوا، اور اس نے بنوہاشم، بنوزہرہ، بنوتمیم بن مرہ کو عبداللہ بن جدعان کے گھر مین جمع کیا، اور سبھون نے حلف لیکر عہد کیا، کہ جب تک بحر صوفہ مین پانی روان رہیگا، اور جب تک حرار اور ثبیر[1] اپنی جگہ پر قائم رہین گے، اسوقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھین گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لین،

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ[2]:-

شہدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا — یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر مین ایسے حلف مین شریک

لو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت — ہوا کہ اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھکو زمانہ اسلام مین بھی دیجائے تو قبول کرلون،

قریش کا مذہب قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان مین اسقدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط وخال بالکل دہندلے ہوکر رہ گئے تھے، اور ان کا پہچاننا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین مین بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو لحی ہے، یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہان ایک شہر مین لوگون کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو، انہون نے کہا یہ ہمارے معبود ہین، ہم ان کی پرستش کرتے ہین، اسکے صلہ مین یہ پانی برساتے ہین، اور ہر قسم کی امداد کرتے ہین، عمرو بن لحی نے کہا، لاؤ ہمکو بھی دو، ہم اپنے یہان لیجا کر ان کی پرستش کرین گے، لوگون نے ہبل نامی

[1] حرار و ثبیر پہاڑ کے نام ہین، [2] روض الانف جلد ا صفحہ ۹۱،

بت اسکو دیدیا جسکو لاکر اس نے مکہ مین نصب کیا، اور لوگون کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کردی[1]
اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کردیے، اور
مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید برلب ساحل نصب کیا تھا[2]، غرضکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام
عرب مین پھیلائی، چنانچہ آنحضرت صلعم نے اسکے متعلق فرمایا ہے "یجرّ قصبہ فی النار[3]" یعنی اس کی آنتین
آگ مین گھسیٹی جاتی ہین، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ
متعدد بتون کی پوجا کرتے تھے جن مین بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے، اور بعض قریش اور دیگر قبائل
مین مشترک تھے، چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے، اور قریش کے مخصوص بت تھے
اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونون بتون کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا، کہ یہ
قبیلۂ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے لیکن بعض گناہون کے باعث پتھر کے ہوگئے[4]،

لات - بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اسکی پوجا کرتے تھے[5]، اس کی تاریخ یہ ہے
کہ لات مکہ مین ایک پتھر تھا، جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی
ثقیف مین تھا، وہ مرگیا، تو لوگون نے کہا کہ وہ مرا نہین، بلکہ اپنے ہمنام پتھر مین گھس گیا ہے، اس وقت
سے اس پتھر کی پرستش بھی شروع ہوگئی،

عزیٰ - بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے، اور تبرکاً اسی کے
نام پر نام رکھتے تھے چنانچہ عبد العزیٰ قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے ایک باغ مین نصب
تھا، قریش برابر وہان تحائف لیجاتے تھے، اور قربانیان کرتے تھے[6]

مناۃ - بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۷ مطبوعہ مصر، [2] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۱۶۷، [3] ردف الالف جلد ۱ صفحہ ۶۱ مطبوعہ مصر،
[4] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۹ مطبوعہ مصر، [5] معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۲۴۲، [6] معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۲۱۰،

تھے، چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے، وَاللّٰاتَ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الاُخْرٰی فانہن الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترجی ، ان تینون بتون کو قریش خدا کی بیٹیان کہتے تھے، اوران کا اعتقاد تھا، کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کرین گے، اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک مین ان الفاظ مین آئی ہے،

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ	کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے بت منات پر نظر کی، کیا
الْاُخْرٰى اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ	تمہارے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیان ہین، اگر ایسا
اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ	تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہین، جن کو
سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ	تم نے اور تمہارے باپ دادون نے رکھ لیا ہے، خدا
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (سورۂ نجم رکوع ۱)	نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہین اتاری،

ہبل قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط مین نصب تھا، اور قریش کے تمام بتون مین سب سے زیادہ معزز تھا، یہ سب سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اسپر انسانی قربانیان بھی چڑھائی جاتی تھین، چنانچہ عبد المطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جسوقت دس بیٹون کو جوان دیکھین گے، تو ایک کی نذر چڑھائین گے، لڑائیون مین ہبل کی جے پکارتے تھے، جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانون کو پسپائی ہوئی، اور دشمنون نے مشہور کر دیا کہ خدانخواستہ آنحضرت صلعم شہید ہوگئے، تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت مین اس کی جے کا نعرہ لگایا، خانہ کعبہ کے بتون کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن مین حضرت اسمٰعیلؑ اور اور حضرت ابراہیمؑ کی مورتین بھی شامل تھین، ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے،

لہ معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۱۶۶، سہ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱، سہ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ احد سہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۸

ہہ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۸۳

بدعاتِ حج | اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتدادِ زمانہ سے اسمین اسقدر تغیر و تبدل ہوگیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی، چونکہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات مین راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اسکے ارکان اور طریقۂ ادا مین طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھین، شہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے یعنی محرم کا نام بدلکر صفر رکھدیتے، اور اس مین تمام وہ باتین جائز سمجھتے، جو غیر شہر حرام مین جائز ہین، حج کے مہینے مین عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے[1]، خاموش حج کرتے یعنی دورانِ حج مین منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا،[2] قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ مین ٹھہرتے،[3] اسی پر یہ آیۃ نازل ہوئی "ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ" (سورہ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے[4]، حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہین کرسکتے تھے، رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہین سکتے تھے[5]، طواف کے وقت "واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانہن الغرانیق العلی ان شفاعتہن لترجی" پڑھتے تھے[6]، تلبیہ مین خدا کے نام کے ساتھ بتون کو بھی داخل کر لیتے تھے[7]، قرآن مجید کی اس آیۃ مین اسی کیطرف اشارہ ہے، "وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ" یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہین، تو اس مین دوسرون کو بھی شریک کر لیتے ہین،

قریش مین تنہا اصنام پرستی یا بدعاتِ حج ہی نہین رائج تھین بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جنمین سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی، عیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے

---

[1] بخاری جلد ا باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص۵۴۳، [2] بخاری جلد ا کتاب المناسک ص۲۲۴ [3] بخاری جلد ا ص۲۲۶، [4] ایضاً ص۲۲۴، [5] سیرۃ ابن ہشام ج ا ص۸۰، [6] معجم البلدان ج ۴ ص۱۶۶، [7] سیرۃ ابن ہشام ج ا ص۴۴،

قریش بھی مستثنیٰ نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے، سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی، غرضکہ اس قبیل کی صدہا خرابیاں ان میں رائج تھیں، تاہم ان برائیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں، مظلوموں کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے، ناداروں کیساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے، اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا[1]، حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو کپڑا دیتے[2]، یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا، ایفائے عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے،

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے، شہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تدارک کرتے تھے[3]، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا، کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا، اور قریش پر اسکا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کردیا،

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی پرتوفگن تھا، چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جہالت میں موحد تھے، دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے، مگر کہیں پیاس نہ بجھی، آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہوکر خدا کو شاہد بنایا، کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیمؑ پر ہوں، وہ اس نعمت

---

[1] روض الانف، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲۵، [3] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۴،

توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش مین اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیون پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے حتی کہ لڑکیون کو لیکر خود پرورش کرتے تھے[1] اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ مین گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہین، جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے[2]، خود صحابۂ کرامؓ مین متعدد مثالین ایسی ملتی ہین، جو زمانۂ جاہلیت مین، فطرت سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ،

لوازم تمدن

تجارت قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے، حتی کہ ابوجہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگون کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا[3]، قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکون ملکون پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروانِ تجارت سال مین دو مرتبہ جاتے تھے، سورۂ قریش مین اسی کی طرف اشارہ ہے،

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ	تعجب ہے، کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر
وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا	(تجارت) سے کسقدر الفت ہے، ان کو چاہئے کہ
الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ	اس گھر کے رب کو پوجین، جس نے ان کو بھوک سے
وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ (قریش)	بچانے کیلئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا،

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منتظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ

۱؎ بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۰، ۲؎ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۷۶، ۳؎ بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۵،

روم سے اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدودِ حکومت مین اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکین، اس زمانہ مین اگرچہ راستے پرامن نہ تھے، راہزنی اور لوٹ مار عام تھی تاہم قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہین کرتا تھا، اور وہ بے خوف وخطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے "جیران اللہ" خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے، اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے، اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہین کرتے تھے، قریش مین اس درجہ تجارت کا چرچا تھا، کہ اہین مرد و عورت بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہؓ نبوگی کے زمانہ مین بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھین، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت کل قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت صلعم حضرت خدیجہ کا مال لیکر بصرے تشریف لے گئے ہین[۱]، آنحضرت صلعم بنفسِ نفیس بھی تجارت فرماتے تھے، اور آپ کی تجارت کے واقعات کتبِ احادیث مین مذکور ہین، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی، اور بعد اسلام انہون نے آپکی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی[۲]، آپ یمن کے بازار جرش مین دو بار تشریف لے گئے، بحرین مین بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابوطالب بھی تاجر تھے، اکابرِ قریش مین ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے[۳]، حضرت ابو بکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا، مدینہ مین مقام سنح پر آپ کا ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا[۴]، کبھی کبھی خود مال لیکر باہر تشریف لیجاتے تھے، چنانچہ اسلام کے بعد بصرہ ہی مالِ تجارت لیکر جاتے تھے[۵]،

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے[۶]، ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا[۷]، اور بذات خود

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۰۰، [۲] ابوداود جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، [۳] ارض القرآن صفحہ ۱۳۸ جلد ۱، [۴] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰، [۵] ابن ماجہ باب المزاح، [۶] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۲، [۷] ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۳،

تجارت کے سلسلہ مین بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہین، کہ بہت سے ارشادات نبوی مین تجارت کی دوڑ دہوپ کی وجہ سے نہ سُن سکا[1]، حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بناپر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازارون مین آپ کا کھجورون کا کاروبار تھا[2]، زمانۂ جاہلیت مین ربیعہ بن حارث کی شرکت مین تجارت کرتے تھے[3]، حضرت علیؓ نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے[4]، ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے، اور شام وغیرہ جاکر تجارت کرتے تھے[5]، آنحضرت صلعم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، توان مین ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب قاصد خط لیکر پہونچا، تو اسوقت قریش کے تاجر وہان موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرتؐ کے متعلق سوالات کئے[6]، غرضکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہین، کہ کانت قریش قومًا تجاراً[7]، چنانچہ قریش نے جب مسلمانون کو حج سے روکا، تو انھون نے یہ دہمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دین گے، عرب عمومًا ان چیزون کی تجارت کرتے تھے، (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑین، (۲) سونا لوہا جواہرات، (۳) خام کھالین، بنا ہوا چمڑا، زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ

توراۃ مین جابجا ان چیزون کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالبًا ان ہی چیزون کی تجارت کرتے ہون گے بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش نے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لیکر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا[8]، طبری نے لکھا ہے، کہ "ومعہ فضۃ کثیرۃ وھی عظم تجارتہم"[9].

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۲۷۵، [2] مسند احمد بن حنبل [3] اصابہ جلد ۲ ص ۱۹۷، [4] بخاری جلد ۱ ص ۲۸۱، [5] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶

[6] بخاری جلد ۱ ص ۴، [7] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰ [8] مسند حنبل مسند اہل بیت،

[9] طبری ص ۱۳۴۷،

عرب کی دس تجارتی منڈیان تھین، ان مین قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ مین شریک ہوتے تھے[1]، زمانۂ اسلام مین لوگون نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا جس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (بقرہ ۲۵) — تمہارے لئے اس مین کوئی حرج نہین (کہ زمانہ حج مین) اپنے رب کا فضل تلاش کرو،

زمانۂ اسلام مین تجارت اور زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازارون مین کاروبار تجارت مین گزرتا تھا[3]، اور زمانہ جہالت کی منڈیون مین بھی وہی چہل پہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام مین تقریبًا سوا سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ مین بازار عکاظ خارجیون کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا[4]،

علوم و فنون | یون تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب مین تھا تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی، از انجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان مین بھی قریش، زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے، کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان مین اترا[5]، خود آنحضرت صلعم نے قریش کے فصیح اللسان ہونیکا تذکرہ فرمایا ہے، کہ مین تم سب مین فصیح تر ہون، اس لئے کہ مین قریش کے خاندان سے ہون، اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے[6]، قریش مین بڑے بڑے باکمال شعرا پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم مین متعدد شعرا تھے، خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین ان کے اشعار بھی نقل کئے ہین[7]، قریش مین ذوق شاعری کے ساتھ

---

[1] یعقوبی ص ۳۱۳ جلد ۱، [2] بخاری کتاب البیوع باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض، [3] بخاری ج ۱ ص ۲۷۵، [4] فتح الباری جلد ۳ ص ۴۷۴، [5] بخاری جلد ۱ ص ۴۹۶، [6] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۱
[7] کتاب العمدہ ص ۱۳-۱۴

ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان مین تعلیم عام نہ تھی، تاہم ظہورِ اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی نمایاں تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو حذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابو سلمہ بن عبد الاسد، ابان بن سعید، خالد بن سعید، عبداللہ بن سعد، ابو سفیان بن حرب، امیر معاویہ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردون تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتون مین ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھین، اور حضرت ام سلمہؓ صرف پڑھ سکتی تھین، لکھ نہین سکتی تھین، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتین مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھین، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی،[1]

رفاہِ عام کے کام قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیون سے ان کو ممتاز کرتے تھے، جس سے ان کے معاصر قبائل مین ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی، چنانچہ اہل مکہ اور اور اسکے قرب و جوار کے قبائل کی آسایش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئین مختلف مقامات پر کھدوائے تھے، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی، کہ اس بے آب و گیاہ زمین مین ان کے لئے آب شیرین مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤن اور ان کے مالکون کے نام کی تفصیل یہ ہے،[3]

شہر مکہ کے اندرونی کنوئین

نام شخص	نام کنوان	جگہ
عبد شمس	.	مکہ کے بالائی حصہ مین
ہاشم بن عبد مناف	بذر	ابو طالب کی گھاٹی پر
مطعم بن عدی	سجلہ	

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۷، ۴۷۸، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۹، [3] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۸۹،

جگہ	نام کنواں	نام شخص
	سقیہ	بنو اسد ابن عبدالعزی
	ام احراد	بنو عبد دار
	سنبلہ	بنو جمح
	غمر	بنو سہم
	مکہ کے بیرونی کنوئین	
	احرم	مرہ بن کعب
	خم خم	بنی کلاب بن مرہ

اسلام کا ظہور۔ قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، کہ دفعۃً افق مکہ پر برقِ تجلی چمکی، اور نورِ حق کا اجالا تمام عرب مین پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی نین پھوٹی ہی تھین، کہ خیرہ چشمون کی آنکھین تابِ نظارہ نہ لاسکین، اور ہر چہار جانب سے ظلم وتعدی کے بادل امنڈنے لگے، کہ نورِ حق کی روشنی کو تاریکی مین چھپا دین، یعنی آنحضرت صلعم نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی، کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے، مگر سیلِ صداقت برابر پھیلتا گیا، یہانتک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنادیا،

آنحضرت صلعم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی، تو ابتدائً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب اس کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرۂ اسلام مین داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اسکے استیصال کی تمام امکانی کوششین شروع کردین، وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ وتاب اپنے مذہب اور اپنے معبودون کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت صلعم کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے، مگر جب آپ پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً انلوگون کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا،

کہ وہ آپ کے کفیل تھے، چنانچہ عمائدِ قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا، کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے، اور ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اسلئے یا تم اس کو روکو، ورنہ ہمارے حوالہ کردو، اسوقت ابوطالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت صلعم پر نہ پڑا اور آپ کے سابق طرزِ عمل مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس گئے، اس مرتبہ ابوطالب نے آنحضرت صلعم کو بہت سمجھایا، کہ بیٹا! مجھ پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سنکر آنحضرت صلعم کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہین کرسکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیگی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم مین بھی آبدیدہ ہوکر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب، اور بائین پر ماہتاب رکھدین، کہ مین اس فریضہ کو چھوڑ دون، تو بھی نہین چھوڑ سکتا، تا آنکہ اسمین مین ہلاک ہوجاؤن، یا کامیاب ہون، اس جواب سے ابوطالب بہت متاثر ہوئے، اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی مین آئے کرو، مین تم کو کسی حالت مین نہین چھوڑ دونگا[1]، جب قریش کو ابوطالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انہون نے صاف جواب دیدیا، جب وہ لوگ اسطرف سے بالکل مایوس ہوگئے، تو آنحضرت صلعم کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا، کہ شاید اس سے وہ باز آجائین، چنانچہ ابوالولید نے رؤسای قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیان آپ کے سامنے پیش کین، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لئے اسقدر مال جمع کردین کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند ہوجاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تمکو اپنا سردار بنالین، اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰

بھی تیار ہین،

جب تمام ترغیبات ابوالولید دیکھا، تو آنحضرت صلعم نے فرمایا، کہ اب میری بھی کچھ سنو! یہ کہکر آپنے سورہ حم سجدہ کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا، تو آپنے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے،

عتبہ جب یہان سے اپنے ساتھیون مین گیا، تو وہ لوگ اسکا بدلا ہوا رنگ دیکھکر سرگوشیان کرنے لگے، کہ یہ تو وہ عتبہ نہین معلوم ہوتے، جو یہان سے بھیجے گئے تھے، سبھون نے ماجرا پوچھا، انھون نے کہا، مین نے عجیب و غریب کلام سنا ہو، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آجتک میرے کانون نے نہین سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے، نہ وہ شعر ہے، اور نہ وہ کہانت ہو، میری رائے ہے، کہ تم اس شخص کو اسکی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہین، کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب ہی ہوگیا، تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربون کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہو، عتبہ کے یہ خیالات سنکر لوگون نے کہا، کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری رائے ہے، آیندہ تملوگ جو چاہو کرو،[1]

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی، اور آنحضرت صلعم کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے، بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑہتی گئی، اور قبائل قریش مین مسلمانون کا روزافزون اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش مین حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہوچکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہوگیا، اور شان نبوت مین طرح طرح کی گستاخیان شروع کردین، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپکے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنون مین گندی چیزین

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۵۵،

ڈالدیتا، امیہ بن خلف آپکے چہرہ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ مین تھے، کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہوگیا، اور اس زور سے دبایا، کہ آنکھین نکل پڑین بعض مرتبہ یہ سنگدل اسطرح سے گلا گھونٹتے، کہ دم گھٹتے گھٹتے رہجاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت صلعم اسطرف سے گذرے، سبھون نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا، کہ کیا تمہین ہمارے معبودون کو برا کہتے ہو، آپ نے فرمایا، ہان مین ہی ہون، اسپر ایک شخص نے مجمع سے نکلکر آپ کی چادر سے آپکا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکرؓ موجود تھے، یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے، اور روکر فرمانے لگے، کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو، کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے[1]،

آنحضرت صلعم کا خاندان قریش مین بہت معزز تھا، اسلئے ان مخالفتون کے باوجود آپکے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت صلعم کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہوچکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اسلئے سارا غصہ ان غریب مسلمانون پر ٹوٹتا تھا، جنکا کوئی یار و مددگار نہ تھا، اور کفار کے بس مین جو کچھ بھی تھا، بھوک پیاس مارپیٹ ہر طرح سے ان غریب خستہ حال مسلمانون پر مظالم ڈہاتے، ان کی درندگی کی داستان صرف مارپیٹ پر ختم نہین ہوتی، بلکہ مارپیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے،

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دہوپ مین جبکہ مکہ کی زمین توے کی طرح تپتی ہوتی، گرم ریت پر لٹاتا، اور سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتا، کہ جنبش نہ کرسکین، اور کہتا، کہ محمد سے توبہ کرکے لات وعزیٰ کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یونہی سسک سسک کر مر جاؤگے، مگر اسوقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی[2]،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۱، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی مین بھی یہ واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے،

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۰۰ و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶،

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دستِ ستم ان پر بہت دراز ہوتا، اور ان کو دوپہر کیوقت انگاروں پر لٹاتے، پانی مین غوطہ دیتے، مگر زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگارون پر لٹا رہے تھے، کہ آنحضرت صلعم ادھر سے گذرے، اور آپ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے،[1]

خباب بن اَرَتؓ بھی مشرکین کے ظلم و ستم کے شکار تھے، وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے، کہ مشرکین انگارے دہکاتے اور مجکو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھکر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب مین اسوقت تک مبتلا رہتا، جب تک کہ خود میرے زخمون کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی،[2]

حضرت صہیبؓ بھی انہین بیکس لوگون مین تھے، جنکو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے، جب اونھون نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا، کہ تو ہمارے یہان افلاس و فقر کی حالت مین آیا تھا، یہان رہکر دولتمند ہوا، اب چاہتا ہے، کہ جان مال لیکر نکل جائے، ایسا ہرگز نہین ہو سکتا، انھون نے فرمایا، اگر مین سب مال متاع تم کو دیدون، تو مجھے جانے دوگے، انہون نے کہا ہان، انہون نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت صلعم نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا، "ربح صهيب ربح صهيب"، صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے[3]"

یہ تو مردون کی مثالین تھین، ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتین بھی نہ بچ سکین،

حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقاتِ اسلام مین تھین، ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا، حتی کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا،[4]

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول، ص ۱۷۷،۱۷۸، [2] ایضاً ص ۱۱۷ [3] ایضاً ص ۱۶۲، [4] اصابہ جلد ۸ ص ۱۱۴،

حضرت زنیرہؓ دائرۂ اسلام مین ابتدا ہی مین داخل ہوئین، ابوجہل ان کو بہت اذیتین دیتا تھا، حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے[۱]، انہین مین ایک خاتون لبینہ تھین، منجملہ دیگر ضعفاے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے انکو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا[۲]،

یہ تمام مہاجرین ضعفاے اسلام مین سے تھے، جنکا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، اسلئے ان پر جو ستم ڈہاتے، کم تھے، جبکہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے حضرت ابوبکرؓ زمانۂ جاہلیت مین خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ مین معزز تھے تاہم کسی مشرک نے آنحضرت صلعم کی حمایت پر ان کی ڈارھی نوچ لی[۳]،

حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھتے، اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑوگے[۴]؟

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اسقدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے[۵]، یہ مذکورہ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھدئے گئے، ورنہ ان کی فہرست اس سے کہین زیادہ طویل ہے،

پہلی ہجرت

یا

مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت مظلوم مسلمان کفار کی سختیان سہتے سہتے عاجز آگئے تھے، نہ وہ کفار کے خوف سے کہین چل پھر سکتے تھے، اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اسلئے ان کو ایسی جاے پناہ کی تلاش تھی جہان وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکین، اسلئے آنحضرت صلعم نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہان کا بادشاہ رحمدل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس

[۱] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۹۱، [۲] ایضاً ۱۴۹، [۳] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۲ جلد ۱، [۴] طبقات جزو اول قسم ثالث صفحہ ۳۷،

قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کیلئے آمادہ ہوگئی، اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے[1]

مرد	عورتیں
حضرت عثمانؓ	حضرت رقیہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ	سہلہ بنت سہیلؓ
حضرت زبیر بن عوامؓ	
حضرت مصعب بن عمیرؓ	
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	ام سلمہؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	لیلےٰ بنت ابی حثمہؓ
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	
حضرت سہیل بن بیضاءؓ	
حضرت حاطب بن عمروؓ،	

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہانتک کہ حبشہ مین مسلمانوں کی کافی تعداد ہوگئی، اور بہت آرام و آسایش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانون کا آرام و آسایش کب گوارا کرسکتے تھے،

حبشہ سے مسلمانون کے اخراج کی کوشش اسلیئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کیساتھ بھیجا، کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانون کو وہان سے نکالدے، اس وفد کے ارکان عبداللہ

[1] طبقات ابن سعد جزو ۳ قسم اول اسلام عمرو بن الخطاب

بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونون حبش پہونچے، اور نجاشی کے دربار مین حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقون سے ملے، اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دیکر کہا، کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑکر ایک نیا دین اختیار کرلیا ہے، جو ہمارے اور تمہارے دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت مین پناہ گزین ہوئے ہین، ہم ان کو پکڑنے آئے ہین، اسلئے آپ لوگون کیخدمت مین ہماری درخواست ہے کہ جسوقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور مین عرضگذار ہون، تو براے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائین، اور ان کو مشورہ دین، کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کردئے جائین، اسکے بعد نجاشی کی خدمت مین باریاب ہوکر ہدایا پیش کئے، اور عرض کیا، کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑکر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اسلئے ہم عرضگذار ہین، کہ ان کو ہمارے حوالہ کرنے کا حکم صادر فرمایا جائے، بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کرلیا تھا اسلئے انہون نے پرزور طریقہ سے تائید کی، کہ بیشک یہ لوگ ان لڑکون کی بہ نسبت زیادہ تجربکار اور ان کے واقف کار ہین، اسلئے ان کا حوالہ کردینا ہی مناسب ہے،

نجاشی کا جواب نجاشی یہ درخواست سنکر بہت برہم ہوا، اور کہا، کہ جب تک مین ان لوگون کو بلاکر خود تحقیقات نہ کرلون گا، اسوقت تک مین اپنے مہمان اور پناہ گزینون کو ہرگز حوالہ نہین کرسکتا البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہین، تو مجھے حوالہ کرنے مین کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہین ہے، تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہین لیجاسکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ مین رہینگے آزادی سے رہ سکین گے،

نجاشی کا مسلمانون کو تحقیقِ حال کیلئے طلب کرنا چنانچہ نجاشی نے مسلمانون کو بلایا، چونکہ یہ واقعہ ان لوگون

کے لئے بالکل نیا تہا، اسلئے بہت گھبرائے، اور سوچنے لگے، کہ کیا جواب دینا چاہیئے، مگر آخر مین یہ فیصلہ کیا، کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردین گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو،

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا، کہ تمہارا کون سا دین ہے، جسکے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا، اور وہ تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگون کے مذہب سے نرالا ہے، اسکا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر مین دیا،

حضرت جعفرؓ کی تقریر

ایہا الملک، ہم ایک جاہل قوم تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش مین مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیون کیساتھ بُرا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی، کہ ہم مین خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا، جسکے صدق عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہین، اس نے ہمکو خدائے واحد کیطرف بلایا، کہ ہم صرف اسی کی پرستش کرین، اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دین، اس نے ہمکو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیون کیساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتون اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتون پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا، کہ اسمین کسیکو شریک نہ کرین، اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہمنے اسکو مانا، اور اس پر ایمان لائے، اب جبکہ ہمنے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، اور حلال کو حلال، اور حرام کو حرام جانا، تو اسپر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، اور ہمکو طرح طرح کی تکلیفین پہونچانے لگی، کہ پھر ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کردین[1]،

نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا، اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف

نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا ہان!

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۱ و ۱۸۲،

نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جسکو سنکر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اسقدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں، نجاشی نے کہا، کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں،

وفد مشرکین کی ایک چال | اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے کہا، کہ تم واپس چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جا سکتے، جب یہ دونوں اسطرح ناکام ہوئے، تو ایک دوسری تدبیر سوچی، وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور مسلمان عبد اللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر بُرا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا، کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کرسکتے ہیں، یہ آزمایش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا، کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے،

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی | غرضکہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا، کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے روسے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا، اور کہا، کہ جو تم کہتے ہو، حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے، اسپر بطارقہ بہت چین بچین ہوئے، اور قریش کی سفارت ناکام رہی،[۵]

مہاجرین حبش کی واپسی | ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے، کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی

---

[۵] یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ اور مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۳، ۲۰۲ میں مفصل مذکور ہیں،

غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرۃً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا، کہ اب وہان بھی امن وامان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے، مگر مکہ کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش مین پڑے، نہ پاے رفتن نہ جاے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان مین داخل ہوگئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دو ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے،

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت

مہاجرین مکہ مین قیام پذیر تو ہوگئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اسوجہ سے اور جلے ہوئے تھے، کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ مین دربارِ حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہان آرام واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اسلئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذارسانی شروع کردی، اسلئے آنحضرت صلعم نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کیطرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح کی رکاوٹین ڈالنا شروع کین، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتون کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہوگیا[۱]، اکثر کے اسماے گرامی حسب ذیل ہین،

۱	حضرت عثمان بن عفان رضہ	۷	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضہ
۲	″ ابوحذیفہ رضہ	۸	″ عبداللہ بن مسعود رضہ
۳	″ عبداللہ بن جحش رضہ	۹	″ مقداد بن عمرو رضہ
۴	″ شجاع بن وہب رضہ	۱۰	″ ابوسلمہ بن عبدالاسد رضہ
۵	″ عتبہ بن غزوان رضہ	۱۱	″ معتب بن عوف رضہ
۶	″ طلیب بن عمیر رضہ	۱۲	″ عامر بن ربیعہ رضہ

۱؎ طبقات ابن سعد جزء اول قسم اول صفحہ ۱۳۹،

۱۳	حضرت خنیس بن حذافہ رضؓ	۳۲	حضرت عمرو بن امیہ رضؓ
۱۴	" عثمان بن مظعون رضؓ	۳۳	" یزید بن زمعہ رضؓ
۱۵	" عبداللہ بن مظعون رضؓ	۳۴	" ابوالروم بن عمیر رضؓ
۱۶	" قدامہ بن مظعون رضؓ	۳۵	" فراس بن نضر رضؓ
۱۷	" سائب بن عثمان رضؓ	۳۶	" جہم بن قیس رضؓ
۱۸	" ابوسبرہ بن ابی رہم رضؓ	۳۷	" ابوفکیہہ رضؓ
۱۹	" عبداللہ بن مخرمہ رضؓ	۳۸	" مطلب بن ازہر رضؓ
۲۰	" حاطب بن عمرو رضؓ	۳۹	" عتبہ بن مسعود رضؓ
۲۱	" عبداللہ بن سہیل رضؓ	۴۰	" شرحبیل بن حسنہ رضؓ
۲۲	" سعد بن خولہ رضؓ	۴۱	" حارث بن خالد رضؓ
۲۳	" ابوعبیدہ بن جراح رضؓ	۴۲	" عمرو بن عثمان رضؓ
۲۴	" سہیل بن بیضاء رضؓ	۴۳	" عیاش بن ابی ربیعہ رضؓ
۲۵	" معمر بن ابی سرح رضؓ	۴۴	" ہاشم بن ابوحذیفہ رضؓ
۲۶	" عیاض بن زہیر رضؓ	۴۵	" ہبار بن سفیان رضؓ
۲۷	" جعفر بن ابی طالب رضؓ	۴۶	" عبداللہ بن سفیان رضؓ
۲۸	" خالد بن سعید رضؓ	۴۷	" معمر بن عبداللہ رضؓ
۲۹	" معیقیب بن ابی فاطمہ رضؓ	۴۸	" عبداللہ بن حذافہ رضؓ
۳۰	" خالد بن حزام رضؓ	۴۹	" قیس بن حذافہ رضؓ
۳۱	" اسود بن نوفل رضؓ	۵۰	" ہشام بن عاص رضؓ

۵۱	حضرت ابوقیس بن حارث رض	۶۰	حضرت سفیان بن معمر رض
۵۲	،، سائب بن حارث رض	۶۱	،، خالد بن سفیان رض
۵۳	،، حجاج بن حارث رض	۶۲	،، جنادہ بن سفیان رض
۵۴	،، تمیم بن حارث رض	۶۳	،، نبیہہ بن عثمان رض
۵۵	،، سعید بن حارث رض	۶۴	،، سلیط بن عمرو رض
۵۶	،، سعید بن عمرو رض	۶۵	،، سکران بن عمرو رض
۵۷	،، محمیہ بن جزء رض	۶۶	،، مالک بن زمعہ رض
۵۸	،، حاطب بن حارث رض	۶۷	،، عمرو بن حارث رض
۵۹	،، خطاب بن حارث رض		عثمان بن عبد غنم رض
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رض	۱۱	،، ام کلثوم اسماء بنت عمیس رض
۲	،، فاطمہ بنت علقمہ رض	۱۲	،، فاطمہ بنت صفوان رض
۳	،، عمیرہ بن سعدی رض	۱۳	،، امینہ بنت خلف رض
۴	،، حسنہ ام شرجیل رض	۱۴	،، خزیمہ بنت جہم رض
۵	،، حبیبہ بنت ابوسفیان رض	۱۵	،، ام حرملہ رض
۶	،، ام سلمہ بنت ابی امیہ رض	۱۶	،، فاطمہ بنت مجلل رض
۷	،، ریطہ بنت حارث رض	۱۷	،، فکیہہ بنت یسار رض
۸	،، رملہ بنت ابی عوف رض	۱۸	،، برکہ بنت یسار رض
۹	،، لیلی بنت ابی حثمہ رض	۱۹	،، اسماء بنت عمیس رض
۱۰	،، سہلہ بنت سہیل رض		

غریب مسلمانون کو خانماں برباد کرنیکے بعد بھی قریش کی آتشِ غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ انہون نے آنحضرت صلعم کو اور آپ کی حمایت کے جرم مین بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا جس کی روسے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب مین پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند مین گذارے بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بیکسی پر رحم آیا، اور انہون نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیون کو قید تنہائی سے نجات ملی[۱]،

حضرت ابو طالب و حضرت خدیجہؓ کا انتقال| اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، کہ آنحضرت صلعم کے حامی اور چاہنے والے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریبًا سوا مہینہ بعد ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے بھی داغِ مفارقت دیا، اور دو ڈہائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلعم کے دونون محافظ اٹھ گئے،

قریش کی ایذارسانی| اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اسلئے ان کو دل کھولکر بخار نکالنے کا موقعہ ملا، اور انہون نے کسی ممکن ایذارسانی سے دریغ نہ کیا، ان مین اکثر واقعات اوپر گذر چکے ہین، ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لاکر فرقِ مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت مین گھر تشریف لائے، ایک صاحبزادی نے اس حالت مین دیکھا، تو زار و قطار رونے لگین، سر سے مٹی دہوتی جاتی تھین، اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرورِ عالم تشفی دیتے تھے، کہ جانِ پدر مت رو، خدا تمہارے باپ کو کفار کی درازدستیون سے روکنے والا ہے، اس موقع پر

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۲۰۳، ۲۰۵

آپنے یہ بھی ارشاد فرمایا، کہ ابوطالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کرسکے[1]،

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت صلعم کے لئے تنگ کر دی، اس لئے آپنے زید بن حارثہؓ[2] کی معیت مین طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہان کچھ بندگان خدا توحید کی صدا پر لبیک کہین، چنانچہ طائف پہنچکر سرداران ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے ؟ کیا خدا نے تمکو بھیجا ہے !! ؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہین ملا ؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہین کرسکتے ، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے ، تو تم سے گفتگو کرنے مین بڑا خطرہ ہے ، اور اگر جھوٹے ہو، تو قابل التفات نہین[3]، آپ یہ جواب سنکر ایک گونہ مایوس ہوگئے ، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلۂ ثقیف کے ایک ایک بآبرو شخص سے ملے ، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہان سے نکل جاؤ ، اور جہان تمہاری آواز سننے والے ہون وہان جاؤ ، صرف اس جواب پر اکتفا نہین کیا ، بلکہ کچھ اوباشون کو لگا دیا جھنون نے ذات اقدسؐ پر سنگ باری شروع کردی ، اور اسقدر پتھر برسائے کہ آپکے دونون پاؤن زخمون سے چور ہوگئے ، زید بن حارثہؓ آپ کو بچاتے تھے ، اس مدافعت مین وہ بھی زخمی ہوئے[4] ،

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان

غرض اس طرح آپ وہان سے مغموم و ناکام واپس ہوئے ، راستہ مین زید بن حارثہؓ نے گذارش کی ، کہ مکہ مین ہم کس طرح رہ سکتے ہین ، جبکہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہین ، آپنے فرمایا ، کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے ، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا ، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا ، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ مین لیکر عام اعلان کردیا کہ مین نے محمد صلعم کو پناہ دی ہے ، اسلئے کوئی آپ کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص۲۲۲، [2] ایضاً ص۲۲۳ زید بن حارثہؓ کا نام طبقات مین ہے ، [3] ابن سعد حصہ سیرۃ ص۱۴۲

ستانے کا ارادہ نہ کرے، اور آپ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے،[۱]

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام اسلام اور بانی اسلام کے خلاف غیظ وغضب کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت صلعم اس سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کرکے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر، بالخصوص عکاظ، مجنہ، اور ذوالمجاز کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے رہے، جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیام خداوندی پہنچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے[۲]

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بکا، کندہ، کعب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیوں قبول کریں گے،

تبلیغ کا اثر قبائل پر اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوس صالحہ موجود تھے، جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ

پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ
پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ

۱ ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲، ۲ زرقانی ج ۱ ص ۳۵۹،

کا خاصا پر تو پڑا، ان قبائل اوران سے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوگا، کہ ہجرت سے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا،

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضؓ " جعفر بن ابو طالب رضؓ " علی بن ابو طالب رضؓ
موالی بنو ہاشم	" انسہ مولی آنحضرت صلعم " ابو کبشہ رضؓ " " زید بن حارثہ رضؓ "
بنو مطلب	" عبیدہ بن حارث رضؓ " طفیل بن حارث رضؓ
بنو مطلب کے حلیف	" ابو مرثد غنوی رضؓ " مرثد بن ابی مرثد رضؓ
بنو عبد شمس	" عثمان بن عفان رضؓ " خالد بن سعید رضؓ
بنو شمس کے حلیف	" عبد اللہ بن جحش رضؓ " ابو احمد بن جحش رضؓ " عکاشہ بن محصن رضؓ " شجاع بن وہب رضؓ

بنو شمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہب رض
بنو نوفل کے حلیف	،، عتبہ بن غزوان رض
بنو اسد بن عبد العزیٰ	،، زبیر بن عوام رض
بنو اسد کے حلیف	،، حاطب بن ابی بلتعہ رض
بنو عبد دار	،، مصعب بن عمیر رض
بنو عبد بن قصی	،، طلیب بن عمیر رض
بنی زہرہ بن کلاب	،، عبد الرحمن بن عوف رض
	،، سعد بن ابی وقاص رض
	،، طلیب بن ازہر رض
	،، عبد اللہ الاصغر رض
	،، عبد اللہ بن شہاب رض
	،، عامر بن ابی وقاص رض
	،، مطلب بن ازہر رض
بنی زہرہ کے حلیف	،، عبد اللہ بن مسعود رض
	،، مقداد بن عمرو رض
	،، خباب بن ارت رض
	،، مسعود بن ربیع رض
	،، عتبہ بن مسعود رض
	،، شرحبیل بن حسنہ رض

بنو تیم بن مرہ	حضرت ابو بکر صدیق رضؓ " طلحہ بن عبید اللہ رضؓ " عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبر رضؓ " حارث بن خالد رضؓ " عمرو بن عثمان رضؓ
بنو مخزوم بن یقظہ	" ابو سلمہ بن عبد الاسد رضؓ " ارقم بن ارقم رضؓ " شماس بن عثمان رضؓ " عیاش بن ابی ربیعہ رضؓ " سلمہ بن ہشام رضؓ " ہاشم بن ابو حذیفہ رضؓ " ہبار بن سفیان رضؓ " عبد اللہ بن سفیان رضؓ
بنو مخزوم کے حلیف	" عمار بن یاسر رضؓ " معتب بن عوف رضؓ
بنو عدی	" عمر بن الخطاب رضؓ " زید بن خطاب رضؓ " سعید بن زید رضؓ " عبد اللہ بن عمر رضؓ

بنو عدی	حضرت عمرو بن سراقہ رض
	" نعم النجام بن عبداللہ رض
	" معمر بن عبداللہ رض
	" عدی بن نضلہ رض
	" عروہ بن ابی اثاثہ رض
	" مسعود بن سوید رض
	" عبداللہ بن سراقہ رض
حلیف بنو عدی	" عامر بن ربیعہ رض
	" عاقل بن ربیعہ رض
	" خالد بن ربیعہ رض
	" ایاس بن ربیعہ رض
	" عامر بن ربیعہ رض
	" خولی بن ابی خولی رض
	" مہجع بن صالح غلام عمر بن خطاب رض
بنو سہم	" خنیس بن حذافہ رض
	" عبداللہ بن حذافہ رض
	" ہشام بن عاص رض
	" ابو قیس بن حارث رض
	" عبداللہ بن حارث رض

بنو سہم	حضرت سائب بن حارث رضؓ " حجاج بن حارث رضؓ " تمیم بن حارث رضؓ " سعید بن حارث رضؓ " سعید بن عمرو رضؓ
بنی جمح بن عمرو	" حضرت عثمان بن مظعون رضؓ " عبداللہ بن مظعون رضؓ " قدامہ بن مظعون رضؓ " سائب بن عثمان رضؓ " معمر بن حارث رضؓ " خطاب بن حارث رضؓ " سفیان ابن معمر رضؓ " خالد بن سفیان رضؓ " جنادہ بن سفیان رضؓ " نبیہ ابن عثمان رضؓ
بنو عامر بن لوی	" ابو سبرہ بن ابی رہم رضؓ " عبداللہ بن مخرمہ رضؓ " حاطب ابن عمرو رضؓ " عبداللہ بن سہیل رضؓ

بنو عامر بن لوئی	حضرت عمیر بن عوف رض " وہب بن سعد رض " سلیط بن عمرو رض " سکران بن عمرو رض " مالک بن زمعہ رض
بنو فہر بن مالک	" ابو عبیدہ بن جراح رض " سہیل بن بیضاء رض " معمر بن ابی سرح رض " عیاض بن زہیر رض " عمرو بن حارث رض " عثمان بن عبد غنم رض
بنو اسد بن عبد العزی	" سعید بن عبد قیس رض " خالد بن حزام رض " اسود بن نوفل رض " عمرو بن امیہ رض " یزید بن زمعہ رض
بنو عبد دار بن قصی	" ابو الروم بن عمیر رض " فراس بن نضر رض " جہم بن قیس رض

بنو عبد دار بن قصی کے حلیف	حضرت ابو فکیہہ رضہ
بنی سعد کے حلیف	” محمیہ بن جزء رضہ
قبیلۂ دوس	” معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضہ
	” طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ رضہ

قبیلۂ دوس کی خواہش جبکہ مکہ مین چارون طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا، اسوقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا، ذاتِ نبوی کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلۂ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اسکے سردار طفیل بن عمرو نے خواہش کی کہ آنحضرت صلعم یہان ہجرت کر آئین، لیکن آپنے انکار کر دیا[۱]، اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی[۲]، لیکن آپ بغیر حکم الٰہی کے مجبور تھے،

مدینہ کا خواب بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت صلعم کو عالمِ رویا مین اسکا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپنے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجورون والی زمین مین ہجرت کر رہے ہین، اس سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے، لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی[۳]،

اہل مدینہ کا قبولِ اسلام اوپر گذر چکا ہے، کہ آنحضرت صلعم حج کے موسم مین حجاج مین تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ مین آپ کو چند خزرجی اشخاص ملے، آپنے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینۂ قلب اسکے پہلے ہی عکس مین توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت مین اختلاف ہے، کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، اور ۸ ہے، لیکن

۱؎ مسلم ج ۱، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر، ۲؎ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۱۳،

۳؎ بخاری ج ۱ ص ۵۵۱،

۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کو موسم حج میں بنو نجار کے کچھ آدمی ملے، آپ نے دریافت فرمایا، کہ تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں[۱]،

حضرت اسعد بن زرارہ رض	حضرت عوف بن حارث رض
حضرت رافع بن مالک رض	حضرت قطبہ بن عامر رض
حضرت عقبہ بن عامر رض	حضرت جابر بن عبد اللہ رض

انصار کی پہلی بیعت دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت صلعم کے دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا، یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت، یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے، تو آنحضرت صلعم نے مصعب بن عمیر رض کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا، یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے[۲]،

انصار کی دوسری بیعت تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے، اور ان سبھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی، کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت صلعم کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے[۳]،

عام ہجرت انصار کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامان مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت صلعم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد اور عامر بن ربیعہ رض نے ابتدا کی[۴]، انکے

---

[۱] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۷، [۲] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۴۷، [۳] ایضاً ص ۲۴۲، [۴] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۷

بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں[1]

عبد اللہ بن جحش رضؓ	زبیر بن عبیدہ رضؓ	عامر بن بکیر رضؓ
ابو احمد بن جحش رضؓ	تمام بن عبیدہ رضؓ	عاقل بن بکیر رضؓ
عکاشہ بن محصن رضؓ	سخبرہ بن عبیدہ رضؓ	خالد بن بکیر رضؓ
شجاع بن وہب رضؓ	محمد بن عبد اللہ بن جحش رضؓ	طلحہ بن عبید اللہ رضؓ
عقبہ بن وہب رضؓ	عمر بن خطاب رضؓ	صہیب بن سنان رضؓ
اربد بن حمیرہ رضؓ	عیاش بن ابی ربیعہ رضؓ	حمزہ بن مطلب رضؓ
منقذ بن نباتہ رضؓ	زید بن خطاب رضؓ	زید بن حارثہ رضؓ
یزید بن رقیش رضؓ	عمرو بن سراقہ رضؓ	کناز بن حصین رضؓ
سعید بن رقیش رضؓ	عبد اللہ بن سراقہ رضؓ	آنس رضؓ
محرز بن نضلہ رضؓ	خنیس بن حذافہ رضؓ	ابو کبشہ رضؓ
قیس بن جابر رضؓ	سعید بن زید رضؓ	عبیدہ بن حارث رضؓ
عمرو بن محصن رضؓ	عمرو بن نفیل رضؓ	طفیل بن حارث رضؓ
مالک بن عمرو رضؓ	واقد بن عبد اللہ رضؓ	حصین بن حارث رضؓ
صفوان بن عمرو رضؓ	خولی بن ابی خولی رضؓ	مسطح بن اثاثہ رضؓ
ثقیف بن عمرو رضؓ	مالک بن ابی خولی رضؓ	سویبط بن سعد رضؓ
ربیعہ بن اکثم رضؓ	ایاس بن بکیر رضؓ	طلیب بن عمیر رضؓ

[1] ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۳ تا ۳۶۲،

خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضؓ	عتبہ بن غزوان رضؓ	ام قیس بنت محصن رضؓ
زبیر بن عوام رضؓ	عثمان بن عفان رضؓ	ام حبیب بنت ثمامہ رضؓ
ابو سبرہ رضؓ	**مستورات**	آمنہ بنت رقیش رضؓ
مصعب بن عمیر رضؓ	زینب بنت جحش رضؓ	سخبرہ بنت تمیم رضؓ
ابو حذیفہ رضؓ	ام حبیب بنت جحش رضؓ	حمنہ بنت جحش رضؓ
سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضؓ	جذامہ بنت جندل رضؓ	ام سلمہ رضؓ

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ سے قائم رہا اور اسکے اسباب

مدینہ آنے کے بعد مسلمانون کی زندگی بڑی حدتک محفوظ و مطمئن ہوگئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اسکا سلسلہ منقطع نہین کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اسکے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجۂ ظلم مین اسیر تھے، جب ان کی گلوخلاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانون کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا، کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کرسکین تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا، کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام مین اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی، کہ وہ اپنے ان پرستارون کے جان و مال کی پوری حفاظت کرسکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے، اور یہ اسوقت تک ناممکن تھا، جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قلعہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانون کے قبضہ مین نہ آجائے، اسلئے ہجرت کا سلسلہ اسوقت تک قائم رہا جب تک خانۂ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہوگیا، اور نہ ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوۂ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا، قابل ذکر اشخاص مین حضرت سعید بن عامر بن حذیم، حجاج بن علاط اور عوف

بن مالک اشجعیؓ آئے، پھر عین غزوۂ خیبر کے موقعہ پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آگیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جاچکے ہین، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانون کی کافی تعداد آئی جن مین فیل کے اشخاص قابلِ ذکر ہین، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو تمیمہ دوسیؓ، عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، نعیم بن کعب اسلمیؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت صلعم نے اعلان فرمادیا کہ

لا ھجرۃ بعد الفتح الا جہاد و نیۃ[1] | فتح مکہ کے بعد ہجرت نہین، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے،

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب مین امن و امان حاصل ہوگیا تھا اور مسلمانون کی حفاظت کے لئے کسی خاص دار الامان کی ضرورت نہین تھی،

مہاجرینؓ کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کرلینا زیادہ دشوار نہین ہے، کچھ دنون کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتین بھی برداشت کرسکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھکر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لیے خویش و اقارب اہل و عیال، اور مال و دولت سب چھوڑکر جلاوطنی کی مصیبت نہین سہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائداد سب کو چھوڑکر بے خانمان ہوئے، یہ وہ جذبۂ فدویت ہے جس کی مثال مذاہب

[1] بخاری کتاب الجہاد، باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد

عالم کے تاریخی صفحون مین نہین مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، نہ غلہ تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت اور ولولۂ مذہب کی دولت سے معمور تھے، اور اس نے ان کو تمام مرغوبات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا،

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک مین خود بیان فرمائے ہین، چنانچہ سورۂ حشر مین مہاجرینؓ کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہین،

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حشر ع ۱)

(مال غنیمت مین) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کر دئے گئے، اور خدا کے فضل اور اسکی رضامندی کے متلاشی ہین، اور اسکے رسول کی مدد کرتے ہین، یہ ہین راست باز لوگ،

ان کے اقوال و افعال یہ تھے،

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا

وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم مین نکالے گئے کہ وہ کہتے ہین کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدین جن مین کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، گرا دئے جا چکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ ضرور اسکی مدد کریگا، بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے، یہ لوگ (مہاجرین)

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (ج ع ٦)

اگر ہم انکو حکومت دیکر زمین قادر کردین تو یہ نماز پڑھینگے زکوۃ دینگے اور
لوگون کو اچھے کام کیلئے کہینگے اور برے کامون سے منع کرینگے اور انجام خدا ہی

ان کی قربانیون کے صلہ مین دنیا اور آخرت کی سب سے گرانبہا نعمت ان کو حاصل تھی یعنی رضاے الہی اور اسکی رحمت، درجات اور مراتب کے اعتبار سے بہی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے،

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ
اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ
فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا
(توبہ ع ٢)

جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جان و مال
سے اللہ کے راستہ مین جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک
بہت بلند مرتبہ ہین، اور یہی لوگ کامیاب ہونیوالے
ہین، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت
اور ایسے باغون کی خوشخبری دیتا ہے جن مین انکو
دائمی آسایش ہے، اور یہ لوگ ان مین ہمیشہ ہمیشہ رہین گے،

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ مین لٹاتے ہین،

ایک دوسری آیت مین نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے،

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَا
وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ

اور مہاجرین و انصار مین سے جن لوگون نے اسلام
مین سبقت کی اور وہ لوگ جنھون نے خلوص قلب سے ان کا
اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے، اور وہ لوگ خدا سے
راضی ہین، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے

الفوز العظیم | ہین، جن کے نیچے نہرین روان ہین، ان مین وہ ہمیشہ
(توبہ ع ۱۳) | ہمیشہ رہین گے، یہ بڑی کامیابی ہے،

ایمان والون کی شان یہ ہے، کہ وہ رحمت الہی سے نا امید نہین ہوتے، اس لئے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے،

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ | جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور راہ خدا
اللّٰہِ، اُولٰئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَۃَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ | مین جہاد کیا، یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار
رَّحِیْمٌ۔ (بقرع ۲۷) | ہین، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

خدا ان کی اس امید رحمت کو اسطرح پورا کرے گا، کہ ان کے تمام گناہون سے درگذر کرے گا، اور ان کی خطائین ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دیگا،

فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ | پس جن لوگون نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے
وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ | گئے، اور میرے راستے مین تکلیفین پہنچائے گئے، اور
عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ | لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیون کو مٹا دینگے
مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ | اور ان کو ایسے باغون مین داخل کرین گے جن کے
(آل عمران ع ۲۰) | نیچے نہرین روان ہون گی،

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ مین ان کو دنیا مین بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت مین بھی سرفراز فرمائیگا،

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا | اور جن مسلمانون نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی
لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ | ان کو ہم دنیا مین ضرور اچھی جگہ بٹھائین گے، اور آخرت
اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ہ (نحل ع ۶) | کا اجر اس سے بہت بڑا ہے، کاش وہ لوگ جانتے،

مہاجرین نے راہ خدا مین تمام شدائد اٹھائے، جلائے وطن ہوئے، ہرطرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفین برداشت کین مگر ان پر ورشکن تک نہ آئی، اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا،

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (نحل ع ۱۴)	پھر خدا ان لوگون کے لئے جنہون نے مصیبت مین مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور (ان کی تکلیفون پر) صبر کیا، بیشک تمہارا خدا (ان امتحانون کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے،

سورۂ حج مین ایک موقع پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ٥ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ (حج ع ۸)	جن لوگون نے خدا کی راہ مین ہجرت کی، پھر شہید ہوگئے یا مرگئے، ان کو ضرور خدا اچھا رزق دے گا، بیشک خدا ہی روزی دینے والون مین بہتر روزی دینے والا ہے، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہوجائین گے،

تنگدستی و عسرت کے وقت جبکہ تمام رشتہ داریان منقطع ہو جاتی ہین اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہین، مہاجرین نے آنحضرت صلعم کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض مین ان پر اپنا یہ فضل کیا،

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (توبہ ع ۱۴)	اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم اور ان مہاجرین وانصار پر اپنا فضل وکرم کیا، جنہون نے عسرت کی گھڑیون مین نبی کا ساتھ دیا،

خدانے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدور مسلمانون کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤن سے درگذر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ	تمہارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ	قرابت والون اور محتاجون اور مہاجرین فی سبیل اللہ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا	کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کہائین، بلکہ چاہئے کہ انکی
تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ	خطائین معاف کردین، اور ان سے درگذر کرین کیا
رَحِيمٌ	تم نہین چاہتے، کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اللہ
(نور ع ۳)	بخشنے والا مہربان ہے،

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین مین امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہین،

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي	جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ مین ہجرت نہ
سَبِيلِ اللَّهِ (نساء ع ۱۱)	کرجائین اسوقت تک ان مین سے کسی کو دوست نہ بناؤ،

مسلمانون مین صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہین جنہون نے راہ خدا مین گھر چھوڑے، اور اسکے راستہ مین جانی و مالی جہاد کیا، یا جنہون نے مہاجرین کی امداد کی،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا	جو لوگ ایمان لائے، اور انہون نے ہجرت کی اور
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ	راہ خدا مین اپنے جان و مال سے جہاد کیا، اور جن لوگون
آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ	نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، یہی

(انفال ع ۱۰) لوگ ایک دوسرے کے دوست ہین،

وراثت کے لئے تنہا ایمان کافی نہین، بلکہ ایمان کیساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے، ورنہ وارث مورث کی میراث نہین پاسکتا،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا، (انفال ع ۱۰)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہین کی، تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہین، جب تک وہ ہجرت نہ کرجائین،

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال ع ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہون نے ہجرت کی، اور خدا کے راستہ مین جہاد کیا، اور جن لوگون نے انکو جگہ دی اور انکی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہین، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے،

احادیث نبوی | قران کے علاوہ احادیث مین بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم ایک موقعہ پر مہاجرین کی تفضیلت اس پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین،

لولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار[1]

اگر ہجرت نہ ہوتی، تو مین بھی انصار کا ایک فرد ہوتا،

ہجرت حفاظت دین کی خاطر کی جاتی تھی،

فقالت لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احدهم بدينه الى الله ورسوله[2]

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا، یہ مومنین کے لئے اسوقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے

---

[1] بخاری، باب بنیان الکعبہ، باب ہجرت النبی، [2] ایضاً،

کے لئے خدا اور اس کے رسول کیطرف فتنہ کے خوف سے

بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے،

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے، اور وہی لوگ اسکو کر سکتے ہین، جو اپنے ایمان و اعتقاد مین نہایت سخت ہون،

جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ عن الھجرۃ فقال ویحک ان الھجرۃ شانہا شدید[۱]

ایک اعرابی نے آنحضرت صلعم کے پاس آکر ہجرت کے بارہ مین سوال کیا، آپ نے فرمایا، تجھپر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے،

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے،

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الاعمال بالنیۃ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ومن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ[۲]

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ انہین چیزون کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ و رسول کے لئے ہوگی، اسکا اللہ و رسول کی خوشنودی مین شمار ہوگا،

اور صحابۂ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی اسکو خود حضرت خبابؓ بیان کرتے ہین،

کنا ھاجرنا مع رسول اللہ صلعم نبتغی وجہ اللہ فوجب اجرنا علی اللہ[۳]،

ہم لوگون نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اسلئے ہم اجر کے مستحق ہو گئے،

---

[۱] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۵۵، [۲] بخاری جلد ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ، [۳] ایضاً،

چونکہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین مین رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے، اور وہان آکر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے، کہ مکہ ہی مین انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت صلعم بھی اسکو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہین،

عن سعد بن ابی وقاص قال جاءنی النبی صلعم یعودنی وانا بمکۃ وھو یکرہ ان یموت بالارض التی ھاجر منھا[1]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ آنحضرت صلعم میری عیادت کو مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہان سے ہجرت کی گئی ہو،

اسی حدیث مین اس موقع پر ایک روایت مین ہے، کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلعم سے دعاے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہجائے،

قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی[2]

حضرت سعدؓ فرماتے ہین کہ مین بیمار ہوا آنحضرت صلعم میری عیادت کو تشریف لائے، مین نے درخواست کی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائین کہ خدا مجھکو الٹے پاؤن نہ لوٹائے،

اس درخواست پر آپنے یہ دعا فرمائی،

اللھم امض اصحابی ھجرتھم ولا یردھم علی اعقابھم[3]

خدایا میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے، اور ان کو الٹے پاؤن نہ لوٹا،

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ

---

[1] بخاری جلد اول ص۳۸۳، [2] ایضاً، [3] بخاری باب ہجرت الحبشہ،

فرماتے تھے، کہ "ھاجرت الہجرتین ولیتین"[1]

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے

عن ابن عمر قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً حين طلعت الشمس فقال سيأتي ناس من امتي يوم القيامة نورهم كضوء الشمس قلنا من اولئك يا رسول الله، فقال فقراء المهاجرين تتقى بهم المكاره يموت احدهم وحاجته في صدره يحشرون من اقطار الارض[2]

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت صلعم کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ جنکا نور ضیائے شمس کے مماثل ہوگا، ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے، فرمایا فقرائے مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لیے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں، یہ لوگ مختلف اقطار عالم سے اٹھائے جائیں گے،

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتعلم اول زمرة تدخل الجنة من امتي فقراء المهاجرين ياتون يوم القيامة الى باب الجنة ويستفتحون فتقول لهم الخزنة او قد حوسبتم قالوا باي شيء نحاسب وانما

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا، کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو، جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقرائے مہاجرین ہوں گے قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے،

---

[1] بخاری باب ہجرۃ الحبشۃ [2] کنز العمال جلد ۵، ص ۱۳۳،

كانت اسيافنا على عواتقنا في سبيل الله حتى متنا على ذالك فيفتح لهم فيقيلون فيها اربعين عاما قبل ان يدخلها الناس[1] (مسند ابن عمر)

دربان سوال کرینگے، کہ کیا تمہارا حساب ختم ہوچکا، وہ لوگ جواب دینگے، کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ مین ہماری تلوارین ہمارے زیب دوش رہین، اور اسی اُن کے ساتھ جان دی، اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دئے جائینگے، اور عام لوگون کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس مین آرام کرینگے،

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت مین بھی اسلام کی خدمت سے پہلوتہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے، مگر ان کی جانفروشیون مین فرق نہ آتا، غزوۂ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑون مین خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، تو یہ منظر دیکھا،

قال خرج رسول الله صلے الله علیه وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار يحفرون في غداة باردة فلم يكن لهم عبيد يعملون ذلك فلما رأى ما بهم من النصب والجوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا، کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح مین خندق کھود رہے ہین، اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہین، کہ اس کام کو کردے، اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھکر یہ دعا فرمائی،

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر الانصار والمهاجرة[2]

خدایا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما،

---

[1] کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۳۳، [2] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق

ان فضائل کے علاوہ مہاجرینؓ کی ایک نمایان فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک وصاف تھا، اس لیے کہ منافق وہ لوگ تھے جو درپردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کرسکتے تھے یا وہ تھے جو مال ودولت کی طمع مین مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزون کی آمیزش سے پاک تھا، اس لیے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت مین تھا، نہ اس کے پاس مال وزر تھا، نہ قوت وحکومت تھی بلکہ اس زمانہ مین جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اوران کا مال خود خطرہ مین پڑگیا تھا اس لیے ان کا اسلام خالصۃً للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی مین مسلمان تعداد اور قوت دونون حیثیتون سے کفار کے مقابلہ مین ضعیف تھے اس لیے وہ مسلمانون کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لیے ان کی دوستی ودشمنی دونون کھلی ہوئی تھین ،

اس کے برعکس مدینہ مین انصارؓ کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ مین داخل ہوئے اور کچھ لوگون نے مال وزر کی طمع مین اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگون کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ درپردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اسکا اظہار نہین کرسکتے تھے، کہ مسلمانون مین کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے، چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگون مین تھے، اسلئے مکی سورتون مین کہین نفاق ومنافقت کا تذکرہ نہین ہے، اور مدنی سورتون مین اسکا بکثرت ذکر آتا ہے، نسار، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتین ہین اوران سب مین مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورۂ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری مین نازل ہوئی ہے، سورۂ توبہ مین بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے ،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ	دیہاتی بدو کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور یہ اسی لائق
اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے اس کے احکام کو نہ
وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ	جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے
مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ	بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان
عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ،	سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں سو انہیں
(توبہ ع ۱۲)	پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے،

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کردی ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ	اور مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق
اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ	ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے
نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ	ہیں، ان کو تم نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں عنقریب ہم انکو
اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ،	دہرا عذاب دینگے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے،

(توبہ ع ۱۳)

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے،

"کہ احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرینؓ میں کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا اور اس میں اوس اور خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوسکے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب وجوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لئے اسلام لائے تو لوگ منافق تھے جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ، اسی لیے نفاق کا ذکر مدنی سورتون مین ہے، مکی سورتون مین نہین ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ مین اسلام لائے تھے ان مین کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگون نے ہجرت کی ان مین بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اسکا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال ودولت سے زیادہ محبوب تھا،

شاہ معین الدین احمد ندوی ۱۰ جولائی ۲۸ء
دار المصنفین اعظم گڈھ،

له منہاج السنہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۰،

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام نسب، خاندان: زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات کی پھوپھی تھین، اسلئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اسکے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اور اسطرح ذات نبوی کے ساتھ اونکو متعدد نسبتین حاصل تھین،

حضرت زبیرؓ ہجرت نبوی سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہین، لیکن اسقدر یقینی ہے، کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی، کہ وہ جوان ہوکر ایک عالی حوصلہ، بہادر اولوالعزم مرد ثابت ہون، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انہین مارا پیٹا کرتین، اور سخت سے سخت محنت ومشقت کے کام کا عادی بناتی تھین ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر بہت خفا ہوئے، کہ کیا تم اس بچے کو اسطرح مارتے مارتے مار ڈالوگی؟ اور بنو ہاشم سے کہا کہ تملوگ صفیہ کو سمجھاتے کیون نہین، حضرت صفیہ نے حسب ذیل رجز مین اس خفگی کا جواب دیا[۱]،

[۱] ابن سعد واصابہ تذکرۂ زبیرؓ

من قال انی ابغضہ فقد کذب　　　انما اضربہ لکے یلب

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لیے مارتی ہوں کہ عقلمند ہو،

ویھزم الجیش ویاتی بالسلب الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے،

اس تربیت کا اثر یہ تھا، کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انھوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اسکا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اُسے لادکر انکی والدہ حضرت صفیہؓ کے پاس لائے، تو انھوں نے معذرت وعفو خواہی کی بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل؟[1]

اسلام | حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے، کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کیا،[2] بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ پانچوین یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں،

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت وجان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سنکر جذبۂ جان نثاری سے اسقدر بےخود ہوئے، کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچکر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا، زبیر! یہ کیا ہے؟ عرض کی "مجھے معلوم ہوا تھا، کہ (خدانخواستہ) حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں" سرور کائنات نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے، کہ یہ پہلی تلوار تھی، جو راہ فدویت وجان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔[3]

---

[1] اصابہ ج ۱ تذکرہ زبیرؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹، [3] اسد الغابہ تذکرہ زبیر بن عوامؓ

ہجرت | عام بلاکشانِ اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکین مکہ کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، انکے چچانے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہوکر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اسقدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو! اب میں کافر نہیں ہوسکتا"[1]

غرض مظالم وشدائد سے اسقدر تنگ آئے، کہ وطن چھوڑکر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرورِ کائناتؐ نے مدینہ کا قصد کیا، اسلئے انھوں نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا،

مواخات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہونچنے کے بعد انصار ومہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی، تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعتِ عقبہ میں شریک تھے،

غزوات | غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کیساتھ حصہ لیا، جسطرف نکل جاتے تھے، غنیم کی صفیں تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہوکر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھکر اس سے لپٹ گئے، اور دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے زمین پر رسے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گرکر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصلِ

---

[1] اصابہ ج ۱ تذکرۂ زبیرؓ

جہنم ہوا[1]، اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤن تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونون آنکھین کھلی ہوئی تھین، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ مین نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا، اسکی لاش پر بیٹھکر بمشکل نیزہ کو نکالا پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا؛ آنحضرت صلعم نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفا مین تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہان تک کہ خلیفۂ ثالث کے بعد حضرت زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا،

وہ جس جگری کیساتھ بدر مین لڑے، اسکا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی تلوار مین دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخمون سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اسقدر کاری تھا، کہ وہان پر ہمیشہ کے لیے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے، کہ ہم ان مین انگلیان ڈال کر کھیلا کرتے تھے[2]،

معرکۂ بدر مین حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ آج ملائکہ بھی اسی وضع مین آئے ہین[3]، غرض مسلمانون کی شجاعت وثابت قدمی نے میدان مارلیا، حق غالب رہا، اور باطل کو شکست ہوئی،

غزوۂ احد سنہ ۳ھ مین معرکۂ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچکر فرمایا، کون اسکا حق ادا کرے گا؟ تمام جان نثارون نے بیتابی کیساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہ انصاریؓ کے لئے مقدر ہوچکا تھا[4]،

جنگ احد مین جب تیراندازون کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہوگئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیان دین کے پاؤن متزلزل ہوگئے، یہانتک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اسوقت بھی یہ جان نثار حواری جانثاری کا فرض ادا کر رہا تھا[5]،

غزوۂ خندق سنہ ۵ھ مین یہودیون کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانون کے خلاف امنڈ آیا،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۴۱۶ [2] بخاری باب غزوۂ بدر [3] کنز العمال ج ۶ ص ۴۱۶ [4] زرقانی ج ۲ ص ۳۲ [5] ایضاً،

سرورِ کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں[1]،

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا لیکن اس عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلعم نے دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا "کون اس قوم کی خبر لائیگا؟" حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ "میں" آنحضرت صلعم نے خوش ہو کر فرمایا "ہر نبی کیلئے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر ہے"[2] اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اسطرح بے خطر تنہا آمد ورفت سے آنحضرت صلعم ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی وامی، یعنی میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں[3]،

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے لیکن پھر کچھ تو ارضی وسماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات واستقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے،

غزوۂ خیبر غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اسکا بھائی یاسر غضبناک ہو کر ھل من مبارز کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لختِ جگر آج شہید ہوگا آنحضرت صلعم نے فرمایا نہیں، زبیر اسکو مارے گا چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رد وبدل کے بعد وہ واصلِ جہنم ہوا[4]،

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتحِ مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب

---

[1] مسند ج ۱ ص ۱۶۴، [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق [3] مسند ج ۱ ص ۱۶۴ و بخاری کتاب المناقب باب مناقب زبیر، [4] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۸۲،

بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھکر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی لیکن آنحضرت صلعم کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی حضرت زبیرؓ بھی اس مین شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عفو خواہی پر جرم معاف فرمایا، اور یہ آیت نازل ہوئی، یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ الآیۃ[1] (ممتحنہ ع ۱)

فتح مکہ رمضان سنہ ۸ھ مین دس ہزار مجاہدین کیساتھ رسول اللہ صلعم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ اس سرزمین مین داخل ہوئے جہان سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب وشدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت مین نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنا دیے گئے تھے سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس مین خود سرور عالم موجود تھے حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے[2]

آنحضرت صلعم جب مکہ مین داخل ہوئے اور ہر طرف سکون واطمینان ہو گیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ اپنے گھوڑون پر بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر ان کے چہرون سے گرد وغبار صاف کیا اور فرمایا مین نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان حصون مین کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائیگا[3]

مختلف غزوات فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا کفار کمین گاہون مین چھپے ہوئے مسلمانون کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے حضرت زبیرؓ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیون سے پکار کر کہا "لات وعزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے تیار ہو جاؤ اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح [2] بخاری باب غزوۃ الفتح [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۷۲

حملہ کر دیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہو گئی،

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر سنہ میں رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کا قصد کیا حضرت زبیرؓ اس سفر میں بھی ہمرکاب تھے،

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائنات صلعم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے،

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اوّل بھی رہ گزین عالم جاودانی ہوئے اور فاروق اعظمؓ نے مسند حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اوّل کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گو رسول اللہ صلعم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت ننگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لیکر شامی رزمگاہ میں شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دیکھے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پار سے اس پار نکل گئے، اور کوئی رفاقت نہ کر سکا پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا تھا جس میں

بچپن مین ہم اس مین انگلیان ڈال کر کھیلا کرتے تھے[1]،

غرض انھین حیرت انگیز جان بازیون کا نتیجہ تھا کہ رومیون کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندان توحید تمام ملک شام کے وارث بنگئے،

فسطاط کی فتح | فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی مین مصر پر حملہ ہوا انھون نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی نیز فوج کی قلت دیکھکر دربار خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دسہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط مین لکھا کہ ان افسرون مین ایک ایک[2] ہزار سوار کے برابر ہے، افسرون مین حضرت زبیرؓ بھی تھے ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ مین دیئے انھون نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چارون طرف چکر لگایا اور جہان جہان مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے اس کے ساتھ منجنیقون سے پتھر برسانے شروع کئے، اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج مین مسلمانون پر فدا ہوتا ہون یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ مین لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی عیسائی یہ سمجھکر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھکر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدیگئی،

اسکندریہ کی تسخیر | فسطاط فتح کرکے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا، اور مدتون قلعہ کا محاصرہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی، [2] فتوح البلدان ص ۲۲۰

کئے پڑی رہی، لیکن جسقدر زیادہ دن گذرتے جاتے تھے، اسی قدر دربارِ خلافت سے اس کے جلد فتح کر لینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ مین شہر فتح ہو گیا،

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ

مصر کامل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سے بیجا لایۂ فوج اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہیئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم مین امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہین کر سکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انھون نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہیئے تاکہ آئندہ نسلین بھی اس سے مستفید ہوتی رہین، حضرت زبیرؓ کے ذہن مین بھی اسکی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے[1]

سنہ ۲۳ھ مین خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیون کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگون مین ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسند گرامی پر بٹھا دیا، حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کر لی[2]

خلیفۂ ثالثؓ کے عہد مین حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم مین شریک نہین ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن سنہ ۳۵ھ

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۶۶ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ،

مین مصری مفسدون نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا تو انھون نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہؓ بن زبیرؓ کو امیرالمومنین کی مساعدت وحفاظت پر مامور کردیا،

غرض اٹھارہوین ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے حضرت زبیرؓ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافات مدینہ مین حش کوکب نامی ایک مقام مین سپردِ خاک کیا،

خلیفۂ وقت کے قتل سے تمام مدینہ مین مفسدین کا رعب طاری ہوگیا، ہر شخص مبحوت تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنوامیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، اسلیے انھون نے ان کو خلافت کا بارگران اُٹھانے پر مجبور کیا اور مسجد نبویؐ مین لوگون کو بیعت کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ گو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریون کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کرلی[1]،

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ مین امن وامان قائم نہ ہوسکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی تھا، اور فتنہ وفساد کے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعون پر شریک ہوجاتے ہین، سبائیون کے ساتھ ہوگئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائین اور بدویون کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیون کی ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی[2]،

حضرت زبیرؓ جو اساطین اُمت مین تھے کبتک خاموشی کے ساتھ اس شورش وہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاحِ حال اور رفعِ فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گذر گئے، لیکن امن وسکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس آئے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۳۰۷۷ [2] ایضاً صفحہ ۳۰۸۱،

اور اصلاح و اقامتِ حدود کا مطالبہ کیا، انھون نے جواب دیا" بھائی! مین اس سے غافل نہین، لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہون جسپر میرا کچھ اختیار نہین، بلکہ وہ خود مجھپر حکمران ہے"[1]؟ غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونون خود عملاً اس شورش کو دفع کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوگئے،

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھین اور اب تک مدینہ کی شورشون کا حال سنکر یہین مقیم تھین، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ان لفظون مین مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا،

انا تحملنا بقیتنا ھرابا من المدینۃ من غوغاء	ہم اعراب کے شور وشر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہین
اعراب وفارقنا قوما حیاری لا یعرفون	اور ہم نے وہان ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی
حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون	ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی جانونکی
انفسھم[2]،	حفاظت کرتی،

ام المومنینؓ نے فرمایا"تو پھر کوئی رائے قائم کرکے اس شورش کو فرو کرنا چاہیے"، غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہان مجتمع ہوگئے تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہوگئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہان سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ مین امویون نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑکر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہوگیا، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی لیکن وہان داعیانِ اصلاح کے حامیون کی ایک بڑی جماعت بھی

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۳۰۰۰ [2] ایضاً صفحہ ۳۰۹۹،

موجود تھی وہ خود عثمانؓ کے ساتھیوں سے دست و گریبان ہوگئی، یہان تک کہ کشت و خون کی نوبت پہنچگئی، عثمان بن حنیف کا یہ بیان تھا کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انھین علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونون کا یہ جواب تھا کہ ہم قہرًا و جبرًا شریک بیعت ہوئے اور اگر فرض کرلو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبۂ اصلاح کی نفی نہین ہوتی، غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ و زبیرؓ بیعت پر مجبور کیے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئین گے ورنہ ان دونون کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑیگا چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انھون نے جمعہ کے روز مسجد نبوی مین داخل ہو کر حاضرین سے بآواز بلند سوال کیا،

یا اھل المدینہ انی رسول اھل البصرۃ	اے اہل مدینہ! مین اہل بصرہ کا قاصد بنکر آیا ہون کیا واقعی
الیکم اکرہ ھولاء القوم ھذین الرجلین	اس قوم نے ان دونون کو علی کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی
علی بیعۃ علی ام اتیا ھا طائعین،	سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع مین تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا بول اٹھے "خدا کی قسم ان دونون نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی" اس سے ایک ہلچل پڑگئی تمامؓ اور سہل بن حنیفؓ اسامہؓ سے الجھ پڑے صہیبؓ بن سنانؓ، ابوایوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالین گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہان! خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا" غرض اس طرح سے اسامہؓ کی جان بچگئی، اور کعب بصرہ واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انھون نے عثمان بن حنیفؓ کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہین کہ وہ مجبور کیے گئے، اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری کے لیے

ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہین تو اُن کے پاس کوئی معقول عذر نہین اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے۔" اس خط کے بعد عثمان رض نے اپنی رائے بدل دی اور کعب کی تحقیقات کے باوجود داعیانِ اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے،

حضرت طلحہ رض و زبیر رض نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشا کے وقت اپنے ساتھیون کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمن بن عتاب رض کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا، عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حقوق مین مداخلت تصور کرکے ایرانی "زط" اور "سیابجہ" سپاہیون کو حملہ کا حکم دیدیا، لیکن حضرت طلحہ رض و زبیر رض نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کرکے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دارالامارت مین گھس گئے اور عثمان بن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگون نے اس بیرحمی کے ساتھ ان کو مارا تھا اور داڑھیان نوچی تھین کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا حضرت طلحہ رض و زبیر رض کو یہ سخت ناگوار گذرا اور حضرت عائشہ رض سے اس کے متعلق دریافت کیا، انھون نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو جہان جی چاہے جائے غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہوگیا[1]، اور ایک بڑی جماعت اس مہم مین ساتھ دینے پر تیار ہوگئی

جنگ جمل اور حضرت زبیر رض کی حق پسندی

حضرت طلحہ رض و زبیر رض نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھکر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہان حضرت امام حسن رض نے پہنچکر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنا لیا اور تقریبًا نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار مین حضرت علی رض کی فوج سے ملکر بصرہ کی طرف بڑھی حضرت طلحہ رض و زبیر رض کو معلوم ہوا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخرہ ۳۶ھ جمعرات کے دن دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۱۷۴،

ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں، لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلے کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی اس لیے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جبکہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذرے تھے اور رسول اللہ صلعم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلعم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑوگے۔"[1] حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر پلٹ گئے لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک سخت تلاطم برپا ہو گیا تمام عزم و ارادے فسخ ہو گئے ام المومنین کے پاس آکر کہنے لگے "میں بر سرِ غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلایا" حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے "اب میں ان جھگڑوں سے کنارہ کش ہوتا ہوں" حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا "آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں" حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا" عبد اللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا لیکن حواری رسول اللہ کا ارادہ اب اٹل ہو چکا تھا، کہنے لگے "جان پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، آؤ تم بھی میرا ساتھ دو" حضرت عبد اللہؓ نے انکار کیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۶۶

لے کر حجاز کی طرف نکل جائین، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جارہے ہین کوئی جاکر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا مین جاتا ہون اور ہتھیار سجکر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا، وہ اس وقت اپنے غلامون کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے غرض ابن جرموز نے قریب پہنچکر پوچھا،

ابن جرموز۔ ابو عبداللہ! آپنے قوم کو کس حال مین چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے،

ابن جرموز۔ آپ کہان جارہے ہین،

حضرت زبیرؓ۔ مین اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا اسلیے اس جھگڑے سے کنارکش ہوکر کسی طرف نکلجانیکا قصد ہے،

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے

غرض دونون ساتھ چلے ظہر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا مین بھی شریک ہونگا، حضرت زبیرؓ نے کہا مین تمھین امان دیتا ہون کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے، اس نے کہا ہان! اس عہد و پیمان کے بعد دونون اپنے گھوڑون سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہوگئے

شہادت حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ مین گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کرکے تلوار کا وار کیا اور حواری رسول کا سر تن سے جدا ہوکر خاک و خون مین تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ مین کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شقاوت و بیرحمی کا شکار ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضوی میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰؓ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا "اس نے بارہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔"[1]

حضرت زبیرؓ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے نفع اللہ مرقدہ وحسن مثواہ،

اخلاق وعادات | حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زر وجواہر سے مالامال تھا تقویٰ، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا،

خشیت الٰہی | جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانہم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون الآیہ تو سرور کائنات صلعم سے پوچھا، یا رسول اللہ کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟" ارشاد ہوا ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اسکا حق دلایا جائے گا، یہ سنکر دل کانپ اٹھا کہنے لگے" اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا۔"[2]

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے کہنے لگے "ام عطا! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو

---

[1] مسند جلد ۱ صفحہ ۸۹، [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۶۷،

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے" انھون نے عرض کی کہ "مین کیا کرون لوگون نے اس قدر ہدیے بھیجدیئے کہ ختم ہی نہین ہوتے"[1]

حضرت زبیرؓ نے جب دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا "اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑا دون" بولے تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کروگے؟[2] کہا مین علیؓ کی فوج مین جا کر ملجاؤن گا اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کرڈالون گا" فرمایا نہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے اس لیے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارئے"

قلتِ روایت کا سبب حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ صلعم کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والون مین تھے لیکن محض کمالِ اتقا کے باعث بہت کم حدیثین روایت کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار! کیا سبب ہے کہ آپ حضور کی اوتنی باتین بیان نہین کرتے جتنی اور لوگ بیان کیا کرتے ہین، فرمایا جانِ پدر! حضور کی رفاقت اور معیت مین دوسرون سے میرا حصہ کم نہین ہے، مین جب سے اسلام لایا، رسول اللہ صلعم سے جدا نہین ہوا، لیکن حضور کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنادیا ہے،

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار[3] یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی اسے چاہیئے کہ جہنم مین اپنا ٹھکانا بنائے،

مساوات پسندی مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ وہ مسلمان لاشون مین بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہین سمجھتے تھے، جنگ احد مین آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ

---

[1] مسند ج ۱ ص ۱۶۶ [2] ایضاً [3] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسند جلد ۱ ص ۱۶۵، و صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۱

نے بھائی کی تجہیز وتکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیئے لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن پڑی تھی دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لیے دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لیے دونوں ٹکڑوں کو ناپا اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا تو قرعہ ڈالکر تقسیم کیا، کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے[۱]،

استقلال حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم وارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن وطاعون ہی کے لیے آئے ہیں" یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے! غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

امانت حواری رسولؐ کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل واولاد اور مال ومتاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا انھوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے "میں آپکو خدا، رسولؐ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں" حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ نہایت دیانت داری کے ساتھ ان کے مال ومتاع کی حفاظت کرکے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے[۲]۔

فیاضی فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کرکے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے لیکن انھوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا، بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ

---

[۱] مسند ج ۱ صفحہ ۱۶۵ [۲] اصابہ ج ۳ صفحہ ۲۲،

کر دیا، غرض ایک پیغمبر کے حواری مین جو خوبیان ہوسکتی ہین حضرت زبیرؓ کی ذات والاصفات مین ایک ایک کرکے وہ سب موجود تھین۔

ذریعۂ معاش اور تمول | معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انھون نے جس کام مین ہاتھ لگایا کبھی گھاٹا نہین ہوا[1]،

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گرانقدر رقم حاصل کی حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کرور دولاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا لیکن یہ سب نقد نہین بلکہ جائداد غیر منقولہ کی صورت مین تھا، اطرافِ مدینہ مین ایک جھاڑی تھی اس کے علاوہ مختلف مقامات مین مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ مین گیارہ، بصرہ مین دو اور مصر و کوفہ مین ایک ایک مکان تھا[2]،

قرض اور اس کی ادائگی | حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب کہدیتے تھے کہ امانت نہین بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہون، ہوتے ہوتے اسی طرح سے بائیس لاکھ کے مقروض ہوگئے[3]،

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کے لیے تیار ہوئے تو انھون نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا "جانِ پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے اس لیے میرا مال ومتاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس مین سے ایک ثلث خاص تمھارے بچون کے لیے وصیت کرتا ہون، ہان! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولی کی طرف رجوع کرنا" حضرت عبداللہؓ نے پوچھا "آپ کا مولی کون ہے؟" فرمایا "میرا مولی خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے"

---

[1] اصابہ ج ۲ صفحہ ۶ [2] استیعاب ج ۱ صفحہ ۲۰۰ [3] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [4] ایضاً

عبداللہ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچکر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہا اور دوسرے ورثہ اس کے علاوہ تھے[1]

جاگیر و زراعت فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلعم نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جنکو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جنکا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا، انصاریؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت صلعم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچکر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے "یارسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زاد کی پاسداری فرمائی، چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ صلعم نے محض انکی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا اس لیے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ یعنی خود آب پاشی کرکے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ دوسری طرف جائے[2]

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لیے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تینوں علحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی کلائی اس زور سے

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ، [2] صحیح بخاری کتاب المساقاۃ۔

موذی کے بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لیے دوڑے اور واقعہ دریافت کرکے ان کو لیے ہوئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے، اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا،[1]

حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دیدی تھی[2]، جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے،

آل و اولاد سے محبت حضرت زبیرؓ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبد اللہ رضؓ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبد اللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے ان کو گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت و بہادری کا سبق دے،

غذا و لباس دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے تھے، البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلعم نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی، آلات حرب کا نہایت شوق تھا اور اسمیں تکلف جائز سمجھتے تھے، چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا،

حلیہ بدن چھریرا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پہ کندھوں تک بالوں کی لٹیں،

اولاد و ازواج[3] حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کیساتھ اولاد

---

[1] ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۰۱، [2] ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ صفحہ ۷۳، [3] اولاد و ازواج کی تفصیل فتح الباری ج ۶ صفحہ ۱۹۱ سے ماخوذ ہے

پیدا ہوئی بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی،
ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسماء بنت ابی بکرؓ ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے نام یہ ہیں، عبد اللہؓ، عروہؓ، منذرؓ، خدیجہ الکبریٰ
ام الحسن، عائشہؓ،

ام خالد بنت خالد بن سعید، انھوں نے خالد، عمر، حبیبہ، سودہ اور ہند یادگار چھوڑی،

رباب بنت انیف، ان سے مصعب، حمزہ اور رملہ پیدا ہوئیں،

زینب بنت بشر، ان کے بطن سے عبیدہ، جعفر اور حفصہ پیدا ہوئیں،

ام کلثوم بنت عقبہ، ان سے صرف ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی،

حضرت طلحہؓ

نام، نسب، خاندان | طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعبہؓ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت صلعم کے اجداد میں سے ہیں، اس لیے حضرت طلحہ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہؓ کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ

گھر سے نکل گرائیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کریں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لیے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہو تو حضرت صعبہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی،

حضرت طلحہؓ ہجرت نبوی سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں لیکن اسقدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا،

اسلام ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصریٰ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و پند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نیر صداقت کی پرتو ضیا سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بنکر چمکے[1]،

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہؓ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک

---

[1] ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۱۵۳،

کردین لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔[1]

مواخات | مکہ میں آنحضرت صلعم نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا،

ہجرت | حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بےچینی اور اضطراب کیساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت صلعم نہایت عجلت کیساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچکر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت صلعم نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،[2]

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات صلعم نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں ہو گے بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۵۹ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۵۲،

صحیح نہین ہے، کیونکہ اس صورت مین مالِ غنیمت مین حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیقِ حال کی خدمت پر مامور کرکے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوۂ بدر مین شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگذاریون کے باعث اس کے اجر و ثواب سے محروم نہین رہے[1]،

غزوۂ احد

سنہ۳ھ مین غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ مین پہلے مسلمانون کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسوٹ مین مصروف ہوئے کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانون کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرورِ کائنات کی حفاظت کا خیال بھی نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا، میدانِ جنگ مین صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شمعِ ہدایت سے دور تھے اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیرون کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلوارین چمک چمک کر آنکھون کو خیرہ کر رہی تھین اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کر دینے کے لیے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت مین جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بنکر خورشیدِ نبوت کو آگے پیچھے دہنے بائین ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیرون کی بوچھار کو ہتھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حالت مین کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذاتِ قدسیؐ پر تلوار سے وار کیا، خادمِ جان نثار یعنی طلحہؓ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، انگلیان شہید ہوئین تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۵۹،

"حس" یعنی خوب ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکۂ آسمانی تمھیں بھی اٹھا لیجاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے یہان تک کہ دوسرے صحابہؓ بھی مدد کے لیے آپہنچے، مشرکین کا حملہ کسی قدر کم ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کرکے پہاڑی پر لے آئے اور مزید حملون سے محفوظ کر دیا[1]،

حضرت طلحہؓ نے غزوۂ احد مین فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بےمثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوامِ عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخمون سے چھلنی ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کیے تھے[2] دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جانبازی کے صلہ مین خیر کا لقب مرحمت ہوا، صحابہؓ کو واقعۂ احد مین ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پُرفخر کارنامہ پر ناز تھا، اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اسکی داستان سنایا کرتے تھے[3]

متفرق غزوات | غزوۂ احد کے بعد فتحِ مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے حضرت طلحہؓ سب مین نمایان طور پر شریک رہے، بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود تھے اور شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے، فتحِ مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس معرکہ مین بھی غزوۂ احد کی طرح پہلے مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور مشرکین سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ مین بھی ثابت قدم اصحابؓ کی صف مین تھے،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۵۵ [2] فتح الباری ج ۷ صفحہ ۶۶ [3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد

سنہ ۹ھ مین آنحضرت صلعم کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لیے آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لیے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت سے فیاض کا لقب حاصل کیا[1]

سرور کائنات صلعم ایک طرف حملۂ قیصر کے مدافعانہ اہتمام مین مصروف تھے، دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپئے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتون سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان مین مجتمع ہوکر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانون مین بددلی پیدا ہو اور اس جہم مین شرکت سے انحراف کرین آنحضرت صلعم نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انھون نے چند آدمیون کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور اس مین آگ لگادی ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کودکر حملہ کیا اور اس حالت مین اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانون کے پنجۂ اقتدار سے بچاکر لے بھاگے[2]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ و جلال کے ساتھ رومیون کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اسلیئے وہان چودہ دن قیام کرکے سب لوگ واپس آئے، پھر سنہ ۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا، حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحہ اکبر سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ مین سیادت و خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشۂ تنہائی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۵۹ [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۱۵،

مین مصروف گریہ تھے،

عہد صدیقی | سقیفۂ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنون کے بعد بیعت کی اور مہمات امور مین رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست و بازو ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفۂ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انھون نے اس منصب کے لیے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جاکر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگون کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کرینگے؟ آپ اب خدا کے ہان جاتے ہین یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا مین خدا سے کہونگا کہ مین نے تیرے بندون پر اس شخص کو امیر مقرر کیا جو ان مین سب سے زیادہ اچھا تھا،

عہد فاروقی | حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض و عداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابل تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کردیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لیے سب سے زیادہ موزون ہین تو دفعۃً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا، اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انھون نے ہمیشہ فاروقؓ اعظم کی اعانت کی، اختلافی مسائل مین ساتھ دیا اور اہم امور مین نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقی مین یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین مین باہم تقسیم کردیئے جائین اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ مین حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہان تک کہ انھی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکۂ نہاوند کے موقعہ پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروقؓ اعظم کو مشوش کردیا اور انھون نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا،

توحضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہین، البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کے لیئے تیار ہین،

فاروق اعظمؓ نے سنہ ۲۳ھ مین دس برس کی خلافت کے بعد سفرِ آخرت کی تیاری کی اور عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیون کا نام پیش کیا ان مین حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انھون نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لیے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے،

عہدعثمانی | حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہدِ خلافت مین تمام ملک عام طور پر شورش وبیچینی کا آماجگاہ ہوگیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربارِ خلافت کو مشورہ دیا کہ اسبابِ شورش کی تفتیش وتحقیق کے لیے تمام ملک مین وفود روانہ کیے جائین، چنانچہ یہ رائے پسند کیگئی اور سنہ ۳۵ھ مین محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصصِ ملک مین روانہ کیے گئے، ان لوگون نے واپس آکر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر ابھی عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہین کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لیے محاصرین کی جماعت مین تشریف لے گئے، چنانچہ وہ ایک دفعہ وہان موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالاخانہ پر کھڑے ہوکر کبار صحابہؓ مین ایک ایک کا نام لیکر پکارا، اسی ضمن مین حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انھون نے جواب دیا "ہان! مین حاضر ہون" حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل ومناقب بیان کرکے ان سے تصدیق چاہی، تو انھون نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی،

آخر مین جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہوگیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے

[1] ابن سعد جزو سوم قسم اوّل ص ۱۵۴،

صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعین کردیا چنانچہ جب مفسدین نے یورشں کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا[1]

محافظین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر و حلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لیے خونین شفق کے پردہ مین نہان کردیا۔ حضرت طلحہؓ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا "خدا عثمان پر رحم کرے" لوگون نے کہا کہ مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہین، فرمایا خدا انھین ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی اھلھم یرجعون ، (یٰسٓ ۳)

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادلِ ناخواستہ بیعت کی

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریون نے حضرت علیؓ کو عنانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا اور مسجد نبوی مین لوگون کو بیعت عام کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش و ہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادلِ ناخواستہ بیعت کرلی[2]

خلیفۂ وقت کے مقابلہ مین خروج اور اس کی وجہ

خلیفۂ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا اس سے تمام ملک مین شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پُرفتن بنادیا۔ حضرت طلحہؓ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علمِ اصلاح بلند کرنے کے لیے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھین اور مدینہ کی شورشون کا حال سنکر اس وقت تک یہین مقیم تھین، اس لیے ان دونون نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علمِ اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۰۔ [2] طبقات ابن سعد جزو ۳ قسم اول

کی بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئین اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ کی تیاری ہوئی، کیونکہ وہان ان کے طرفدارون کی ایک بڑی جماعت موجود تھی اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہوسکتی تھی،

بصرہ پر قبضہ

غرض دعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ مین پناہ گزین تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہوگئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والیِ بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنون تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہوگئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیون نے جوش و خروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا،

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کے لیے بڑھنا

حضرت علیؓ کو مدعیانِ اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہوچکا تھا اس لیے مدینہ سے روانہ ہوکر ذی قار پہنچے اور یہان سے تقریبًا کوفہ کے نو ہزار جنگ آزما نوجوانون کو ساتھ لیکر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو منتظم و مرتب کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخرہ ۳۶ھ مین دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی،

شہادت

جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلعم کی ایک ایسی پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو یوں شکستہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کرلی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ مین ان سے بدظن تھا اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤن مین لگا لیکن ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا، لوگون نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہین بلکہ پیام خداوندی ہے،

؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷۱،

تجہیز وتکفین باختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر مین شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدانِ جنگ کے کسی گوشہ مین مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب مین تھی اسلئے اکثر غرقِ آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب مین دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرمارہے ہین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہ صحابیؓ کا مکان دسہزار درہم مین خرید کر ان کی لاش کو اس مین منتقل کردیا، دیکھنے والون کا بیان ہے کہ اتنے دنون کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون ومحفوظ تھا، یہان تک کہ آنکھون مین جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہٖ موجود تھا[1]

اخلاق وعادات حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع واعلیٰ تھا، خشیت الٰہی اور رسول اللہ صلعم کی محبت سے ان کا پیمانۂ قلب لبریز تھا، معرکۂ احد اور دوسرے غزوات مین جس جوش وفداکاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ مین اُن کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، چنانچہ انھون نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لیے اپنا مال راہِ خدا مین دیا کرینگے، اس نذر کو انھون نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک مین ان کی مدح مین یہ آیت نازل ہوئی،

رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ الآیہ (احزاب ۳)	یعنی کچھ آدمی ایسے ہین جنھون نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا چنانچہ بعض ان مین سے وہ ہین جنھون نے اپنی نذر پوری کی،

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہِ نبوتؐ مین حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا، "طلحہؓ تم بھی ان لوگون مین ہو جنھون نے اپنی نذر پوری کی[2]"،

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۶۱ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۵،

حضرت طلحہؓ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقرا و مساکین کے لیے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، قیس بن ابی حازم کا بیان ہے کہ مین نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش مین پیش پیش نہ دیکھا[1] غزوۂ ذی القرد مین آنحضرت صلعم مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نام بیسان مالح تھا حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا، اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ مین تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوۂ تبوک کے موقع پر جبکہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت مین مبتلا تھے انھون نے مصارفِ جنگ کے لیے ایک گران قدر رقم پیش کی اور دربارِ رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا،[3]

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائداد سات لاکھ درہم مین فروخت کی اور سب راہِ خدا مین صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین نے انھین غمگین دیکھا، پوچھا "آپ اس قدر اداس کیون ہین مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہین ہوئی؟" بولے "نہین! تم نہایت اچھی بیوی ہو تمھاری کوئی بات نہین ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہے اس وقت اسی کی فکر مین تھا کہ کیا کرون، مین نے کہا اس کو تقسیم کرا دیجئے" یہ سنکر انھون نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم مین تقسیم کرادی[4]

حضرت طلحہؓ بنو تیم کے تمام محتاج و تنگدست خاندانون کی کفالت کرتے تھے، لڑکیون اور بیوہ عورتون کی شادی کر دیتے تھے جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا وہ سب انھون نے اپنے پاس سے ادا کر دیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیشکش خدمت کرتے تھے[5]

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۶۶، [2] اصابہ ج ۳ صفحہ ۲۹۱ [3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۶۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۷ [5] ایضاً ص ۱۵۸

بہ اسلام ہوئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی "مین یا رسول اللہ!" اور تینون نو مسلم مہمانون کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان مین سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات مین شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان مین وفات پائی ان کو اپنے مہمانون سے جو انس پیدا ہوگیا تھا اُسکا اثر یہ تھا کہ ہر وقت اُن کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب مین بھی انھین کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب مین دیکھا کہ وہ اپنے تینون مہمانون کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہین لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرورِ کائنات سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس مین تعجب کی کیا بات ہے جو زیادہ دنون تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکوکاری کا زیادہ موقع ملا اس لیے وہ جنت کے داخلہ مین اپنے ساتھیون سے پیش پیش تھا[1]،

احباب کی مسرت و شادمانی ان کے لیے بھی سامانِ انبساط بنجاتی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ غزوۂ تبوک مین شریک نہ ہونے کے باعث معتوبِ بارگاہ تھے ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان کی خطا معاف کردی اور وہ خوش خوش دربارِ رسالت مین حاضر ہوئے تو حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، حضرت کعبؓ[2] فرمایا کرتے تھے کہ مین طلحہؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولون گا کیونکہ مہاجرین مین سے کسی نے ایسی گرمجوشی کا اظہار نہین کیا تھا،

حضرت طلحہؓ کو دوستون کی خدمت گذاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۶۳، [2] بخاری باب غزوۂ تبوک،

ہوا، اوراس نے درخواست کی کہ بازار مین میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا "گو رسول اللہ صلعم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم مین تمہارے ساتھ چلون گا"، اوراس کے ساتھ جاکر مناسب قیمت پر اُسکا اونٹ فروخت کرا دیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربارِ رسالتؐ سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کرون حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی[1]،

رسولِ خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کو طرزِ عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، حضرت طلحہؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض مین شامل کرلیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کی مختلف صحبتون مین جوکچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اوراگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم ورنجیدہ نظر آتے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو مغموم دیکھکر پوچھا "تمھارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہین ہوا؟ کہنے لگے نہین! مین نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہوجائیگی اوراس کا چہرہ چمکنے لگے گا" مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا لیکن اب یاد نہین آتا حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت وپراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہؓ سنکر اچھل پڑے فرمایا "ہان! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے[2]،

حسنِ معاشرت حضرت طلحہؓ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث بیوی بچون مین نہایت محبوب تھے وہ اپنے کنبہ مین جس لطف ومحبت کیساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے

[1] بخاری باب غزوۂ تبوک، [2] مسند ج ۱ صفحہ ۱۶۱،

ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معززاشخاص نے شادی کی کی لیکن انھون نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگون نے وجہ پوچھی تو کہا "مین ان اوصاف حمیدہ سے واقف ہون، وہ گھر آتے ہین تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہین تو مسکرا ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہین کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہین کرتے، اگر کوئی کردو تو شکر گذار ہوتے ہین اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہین[1]"

ذریعۂ معاش | حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہو کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر مین ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب مین متعد حاصل کئے، ان مین سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہین، ان دونون مقامات مین کاشتکا کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتون پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے[2] علاقون کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تھا[3]

تمول | غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھون دینار و درہم راہِ خدا مین لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لیے ایک عظیم الشان چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمھارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انھون نے کہا "بائیس لاکھ درہم، دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار سونا اور چاندی"، یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا تین کروڑ درہم تھا[4]

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۴۱۳ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸، [3] ایضاً،

غذا و لباس	طرز معاش نہایت سادہ تھا، لیکن کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے

حالت احرام مین رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے "طلحہؓ! یہ کیا ہے؟" عرض کی "امیر المومنین یہ گیرو ا رنگ ہی" فرمایا "آپ لوگ ائمہ دین ہین، عوام آپ کا اتباع کرتے ہین، کوئی جاہل دیکھ لیگا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کریگا اور دلیل پیش کریگا کہ مین نے طلحہؓ کو حالتِ احرام مین پہنے ہوئے دیکھا تھا[1]

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ مین ایک سونے کی انگوٹھی تھی جسمین نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا[2]، دستر خوان بھی وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا،

حلیہ	حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ وسفید، بدن خوب گٹھا ہوا،

سینہ چوڑا، پاؤن نہایت پُر گوشت اور ہاتھ کی انگلیان غزوۂ احد مین شل ہو گئی تھی،

اولاد و ازواج	حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کی تھین، بیویون کے نام یہ ہین،

حمنہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان مین سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکون کے نام یہ ہین،

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیان بھی تھین، ان کے نام یہ ہین،

ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم،

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ

نام، نسب، خاندان	عبد الرحمن نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفا تھا، یہ دونون زہری خاندان سے

تعلق رکھتے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے عبد الرحمنؓ بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۶ [2] ایضاً ص ۱۵۷،

بن مرۃ القرشی الزہری،

حضرت عبدالرحمنؓ کا اصلی نام عبدعمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلعم نے بدل کر عبدالرحمن رکھا،

اسلام | عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمنؓ واقعۂ فیل کے دسوین سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلعم نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی رہنمائی سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ مین شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند رو شنضمیر بزرگون کو اسکی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرورِ دو عالم صلعم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے،

ہجرت | خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشان اسلام کی طرح جلا وطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہان سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے،[۳]

مواخات | مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، وہ انصار مین سب سے مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "مین اپنا نصف مال و منال تمھین بانٹ دیتا ہون اور میری دو بیویان ہین ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتا دو مین طلاق دیدونگا، عدت گذرنے کے بعد تم نکاح کر لینا" لیکن حضرت عبدالرحمنؓ کی غیرت نے منظور نہ کیا، جواب دیا "خدا تمھارے مال و منال اور اہل و عیال مین برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو"، لوگون نے بنی قینقاع کے بازار مین پہنچا دیا، وہان سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع مین بچا لائے دوسرے روز سے باقاعدہ تجارت شروع کر دی یہان تک کہ

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۰۶ ۲؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳؎ ایضاً ابن سعد قسم اول جزو ثالث،

چند دنون کے بعد بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتین موجود تھین استفسار ہوا "یہ کیا ہے" عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کرلی ہے" سوال ہوا "مہر کس قدر ادا کیا؟" عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا" حکم ہوا "تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی"[1]

غزوات | سنہ ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا حضرت عبدالرحمن اکثر معرکون مین پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر مین دو نوجوان انصاری پہلو مین کھڑے تھے، انھون نے آہستہ سے پوچھا "یا عم! ابوجہل کون ہے جو سرورِ کائنات صلعم کی شان مین بدزبانی کرتا ہے"؟ اسی اثنا مین ابوجہل سامنے آگیا حضرت عبدالرحمن رضی نے کہا "وہ دیکھو! جسکو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے" ان دونون نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی[2]

غزوۂ احد مین جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثارِ جراحت شمار کئے گئے تھے، خصوصاً پاؤن مین ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے[3]

دومۃ الجندل کی مہم | شعبان سنہ ۶ھ مین دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ صلعم نے بلاکر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ مین علم دیکر فرمایا "بسم اللہ! راہِ خدا مین روانہ ہوجا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان مین مبتلا ہین ان سے جاکر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، افر نہ کرنا، بچون کو نہ مارنا، یہان تک کہ دومۃ الجندل پہنچکر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کرین تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کرلے"۔

حضرت عبدالرحمن رض اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوکر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغِ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلۂ کلب کے سردار

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف اخی النبی صلعم بین اصحابہ [2] مسند ج ۱ ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل [3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۶۱

اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً عیسائی تھے، اور اسکی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے، البتہ بعضون نے جنکو اسکی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمن رض نے حسب فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کر لی، اور رخصت کر کے مدینہ ساتھ لائے چنانچہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن انھی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے؛[1]

فتح مکہ | مکہ کی فوج کشی مین بھی شریک تھے، اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے حضرت خالد بن ولید رض کو قبیلۂ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ مین مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لیے بھیجا، انھون نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرورِ کائنات صلعم کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر بارگاہ رب العالمین مین تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی" خدایا! خالد نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون"؛

حضرت عبدالرحمن رض کے خاندان اور قبیلۂ بنو جذیمہ مین گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی؛ یہان تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولید رض سے کہا "افسوس تم نے اسلام مین جاہلیت کا بدلا لیا" انھون نے جواب دیا "مین نے تمھارے باپ کے قاتل کو مارا" حضرت عبدالرحمن رض نے کہا "بیشک تمنے میرے باپ کے قاتل کو مارا لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمھارا چچا تھا"[2] اس کے بعد دونون مین نہایت گرم گفتگو ہوئی آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد رض سے ارشاد ہوا "بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ تو اگر راہِ خدا مین کوہِ احد کے برابر بھی سونا صرف کریگا تب بھی ان کے برابر نہ ہو گا"[3]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۴ [2] حضرت عبدالرحمن رض کے والد عوف اور حضرت خالد رض کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جارہے تھے بنو جذیمہ نے راہ مین ایک ساتھ دونون کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جز ۲ صفحہ ۲۵۶)

[3] سیرت ابن ہشام جز ۲ صفحہ ۲۵۶؛

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگین پیش آئین، حضرت عبدالرحمن سب مین شریک رہے، آخری سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ مین سرورِ کائنات صلعم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ مین خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اسی گتھی کے سلجھانے مین شریک تھے اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے مین ان کا تیسرا نمبر تھا،

عہد صدیقی خلیفۂ اول کے عہد مین حضرت عبدالرحمنؓ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشورون مین شریک رہے، ۱۳ھ مین جب صدیق اکبرؓ کا آفتابِ حیات لبِ بام آیا اور ایک جانشین نامزد کر جانے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انھون نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصبِ جلیل کے لیے فاروقِ اعظمؓ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "عمر کی اہلیت مین کیا شک ہے لیکن مزاج مین سختی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے تھی کہ مین نرم تھا، لیکن جب یہ بارِ گران ان ہی پر آپڑیگا تو خود بخود نرم ہو جائین گے"[1] غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفۂ اوّل نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے،

عہد فاروقی فاروقِ اعظمؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کر دیا، مہماتِ مسائل پر بحث و مباحثہ کے لیے ایک مستقل مجلسِ شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمنؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پرجوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات مین انھی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لیے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیرالمومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ مین لین، یہان تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لیے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف

[1] طبری صفحہ ۲۱۳۶،

حضرت عبدالرحمنؓ ہی تھے جنھون نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونون پہلو مین، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیرالمومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے حضرت عبدالرحمنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھین کھول دین اور سبنے پرزور الفاظ مین اسکی تائید کی لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص تھا حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انھون نے صاف انکار کردیا غرض لوگ اسی حیص بیص مین تھے، کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کردی، اور کھڑے ہوکر کہا مین نے پالیا حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی[1] اور واقعات نے بہت جلد ثابت کردیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزون تھا،

اسی طرح معرکۂ نہاوند مین بھی حضرت عمرؓ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا، چنانچہ جب مہم شام مین اسلامی فوجین رومیون کی عظیم الشان تیاریون کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑکر پیچھے ہٹ آئین، اور حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیون کے جوش وخروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ مین بھیجی، تو حضرت عبدالرحمنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہوکر بولے "امیرالمومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لیکر چلیے خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیون کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا،

حضرت عبدالرحمنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائین دین، ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم وفضل کے سلسلہ مین آئیگا،

واقعہ ہائلہ | ۲۳ھ مین ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ

[1] طبری ص ۲۲۱۵، ۲۲۱۶، ایضاً صفحہ ۲۲۱۵

کہ دفعۃً فیروز نام ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی[1] اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے،

حضرت عبد الرحمٰنؓ کا ایثار | خلیفۂ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصبِ خلافت کے لیے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے،

خلیفۂ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہیے، اور جو اپنے خیال میں جسکو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبد الرحمٰنؓ اپنے حق سے باز آگئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الٰہی سنت نبوی اور طریقۂ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کیجائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے، بہرحال حضرت عبد الرحمٰنؓ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لیا، اور ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلائے اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمھیں منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمھارے

[1] ابن سعد جزء ۳ قسم اول صفحہ ۲۴۴

مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لوگے" غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مجمع عام مین ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھکر بیعت کرلی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی[1]،

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیون ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ یہ ان دونون کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی مین حضرت علیؓ سے اپنا شبہہ ظاہر کردیا تھا[2]، لیکن یہ صحیح نہین ہے، رشتہ داری بیشک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات مین بنائے فیصلہ نہین ہوسکتی،

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کردیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم مین مجتمع ہوجائے، چنانچہ خلافت مرتضوی مین جو خانہ جنگیان برپا ہوئین وہ اسی منافست کا نتیجہ تھین، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہ عاقبت بین نے اسکا پہلے ہی سے اندازہ کرلیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انھون نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کردیا ہے،

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کاربند ہونے مین پس و پیش کیا تھا جیسا کہ متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار و دوراندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایۂ ناز

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتین تاریخ طبری سے ماخوذ ہین، [2] طبری ۲۷۸۰

کارنامہ ہے،

وفات | عہد عثمانی مین حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہان تک معلوم ہے مہمات ملکی مین انھون نے کوئی خاص دلچسپی نہین لی، یہان تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کرکے ۳۲ھ مین داعی حق کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہوکر کہا" اذھب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوھا وسبقت رنقھا" یعنی ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والون مین شریک تھے اور کہتے جاتے تھے" واجبلاہ" یعنی آہ یہ پہاڑ چل بسا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع مین دفن کیا[2]

علم وفضل | رسول اللہ صلعم کی صحبت نے حضرت عبدالرحمنؓ کے کیسۂ فضل وکمال کو علمی زر وجواہر سے پُر کر دیا تھا گو انھون نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثین بہت کم روایت کین تاہم خلفاء راشدین کو بہت اہم اور ضروری موقعون پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت مین جب رسول اللہ صلعم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انھون نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ" آنحضرت صلعم کے متروکہ مین وراثت نہین ہے"

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد مین جب ایران فتح ہوا اور انھین فکر دامنگیر ہوئی کہ آتش پرستون کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے تو اس وقت حضرت عبدالرحمنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگون کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انھین ذمی قرار دیا تھا[3]

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۷ [2] استیعاب ج ۲ و طبقات ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ،
[3] کتاب الخراج صفحہ ۷۴ و مسند صفحہ ۱۹۴،

سنہ ۱۸ھ مین عمواس مین طاعون پھیلا اور حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرامؓ سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہین؟ تو کوئی اسکا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبدالرحمنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انھین خبر ملی تو انھون نے حاضر ہوکر کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جہان طاعون ہو وہان نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام مین ہو تو وہان سے نہ ہٹو[1]

اصابت رائے | خدائے تعالےٰ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو اصابت رائے، اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا، "عبدالرحمن نہایت صائب الرائے ہوشمند اور سلیم الطبع ہین، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب مین مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمن ہون انکا ساتھ دینا"[2]

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہین بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوشمندی کی نہایت بین شہادت ہے،

اخلاق وعادات | حضرت عبدالرحمنؓ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پارون سے مالامال تھا خصوصاً خوفِ خدا، حبِ رسول، صدق وعفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشان اوصاف تھے،

خوفِ خدا | خوفِ خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لیے مرقعِ عبرت بنجاتا تھا اور اسکی ہیبت جلال کو یاد کرکے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے شام کے وقت کھانا سامنے

[1] بخاری باب الطاعون [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۸۰،

آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آگیا بولے "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہوگیا" اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

حب رسول ایک مقرب بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمنؓ رسالتمآب صلعم کی محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جان نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمنؓ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر بیس زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے لیکن جذبۂ جان نثاری نے میدان سے منھ موڑنے نہ دیا،

حضرت سرور کائنات صلعم کبھی باہر تشریف لیجاتے تو حضرت عبدالرحمنؓ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم باہر نکلے حضرت عبدالرحمنؓ بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم ایک نخلستان میں پہنچکر سربسجود ہوگئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت صلعم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن؟ انھوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی ارشاد ہوا "جبریلؑ نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجیگا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا،[2] یعنی یہ طویل سجدہ

[1] بخاری باب غزوۂ احد، [2] مسند ج ۱ صفحہ ۱۹۱،

سجدۂ تشکر تھا،

آنحضرت صلعم کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہین کہ عبدالرحمن بن عوف رض سے اکثر لطفِ صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ نہایت خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولتکدہ پر لے گیے پھر خود اندر داخل ہوے اور غسل کر کے باہر نکلے اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھکر بے اختیار رونے لگے مین نے پوچھا "ابو محمد! یہ گریۂ وزاری کیسی ہے؟" بولے "رسول اللہ صلعم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم کے بعد اتنے دنون تک دنیا مین رہنا ہمارے لیے بہتر نہین ہے[1]"

صدق وعفاف | دیانت داری صدق وعفاف حضرت عبدالرحمن رض کے دستار فضل وکمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابۂ کرام کو اُنکی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت مین بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان رض کی عدالت مین حضرت زبیر رض نے مقدمہ دائر کیا کہ "مین نے آل عمر سے ایک قطعۂ زمین خریدا ہے جو عمر رض کو دربار نبوت سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن عبدالرحمن رض کا دعوی ہے کہ ان کو اور عمر رض کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلان جگہ سے فلان جگہ تک ان کا حصہ ہے" حضرت عثمان رض نے فرمایا "عبدالرحمن اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہین[2]"،

آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمن رض سے متعلق تھا وہ سفر اور حج کے موقعون پر ساتھ جاتے تھے سواری اور پردہ کا انتظام کرتے

[1] اصابہ ج ۴ صفحہ ۱۷۷ [2] مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۹۲،

تھے، جہان پڑاؤ ہوتا تھا وہان انتظام واہتمام کے ساتھ اتارتے تھے غرض انھین صرف اپنی عصمت
وعفت کے باعث امہات المومنین رض کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص
طغرائے امتیاز ہے[۱]،

انفاق فی سبیل اللہ ہجرت کے بیان مین گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمن رض کو بے نیازی اور استغنا
نے تجارت کی طرف مائل کردیا تھا، چنانچہ اس مین انھون نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان
دولت کے مالک ہوگئے، یہان تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا تو اس
مین سات سو اونٹون پر صرف گیہون، آٹا اور دوسری اشیاء خوردنی بار تھین، اس عظیم الشان
قافلہ کا تمام مدینہ مین غل پڑگیا، حضرت عائشہ رض نے سنا تو فرمایا "مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے
کہ عبدالرحمن جنت مین رینگتے ہوے جائین گے، حضرت عبدالرحمن کو اطلاع ہوئی تو ام المومنین
کے پاس حاضر ہوکر عرض کی "مین آپ کو گواہ کرتا ہون کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب وسامان
بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا مین وقف ہے[۲]"

صحابہ رض کی دولت ذاتی راحت وآسایش کے لیے نہ تھی بلکہ جو جسقدر زیادہ دولتمند تھا
اسی قدر اسکا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمن رض انہیں مین تھے اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت
صلعم کے عہد ہی سے شروع ہوچکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لیے گران
قدر رقمین پیش کین، سورۂ براءت نازل ہوئی اور صحابہ رض کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیگئی تو حضرت
عبدالرحمن رض نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار درہم پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار
دینار وقف کئے اسی طرح جہاد کے لیے پانچسو گھوڑے اور پانچسو اونٹ حاضر کئے[۳]
عام خیرات وصدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن مین تیس غلام آزاد کردیے[۴]،

[۱] اصابہ ج ۸ صفحہ ۱۶۱ [۲] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۶ [۳] ایضاً ج ۳ صفحہ ۳۱۶ ،

ایک دفعہ انھون نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار مین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا مین لٹا دیا[1]، لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہین اس قدر تمول آخرت کے لیے موجبِ نقصان نہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر گذارش کی "امان! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کردیگی" ارشاد ہوا بیٹا، راہِ خدا مین صرف کرو، مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ "میرے اصحاب مین بعض ایسے ہین کہ مفارقت کے بعد انھین میرا دیدار نصیب نہ ہوگا[2]"،

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا مین وقف کئے، نیز بدر مین جو صحابہ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے، ان مین سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہان تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا[3]،

امہات المومنینؓ کے لیے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم مین فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعون پر بڑی بڑی رقمین پیش کین، ایک دفعہ ایک جائداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار مین فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابو سلمہ سے اکثر بطریق تشکر دعا فرمایا کرتی تھین خدا تمھارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے[4]،

مذہبی زندگی | حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے[5]،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰنؓ، [2] استیعاب ج ۲ صفحہ ۴۰۱، [3] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۷، [4] ترمذی صفحہ ۶۲۱، [5] اصابہ ج ۴ صفحہ ۱۷۷،

اکثر روزے رکھتے تھے، حج کے لیے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے اس سال امارتِ حج کی خدمت بھی انھی کے سپرد ہوئی تھی۔[۱]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہوگیا تھا، آنحضرت صلعم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انھون نے خود بہت سی قابلِ زراعت آراضی خرید کر کاشتکاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام "جرف" کے کھیتون مین بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔[۲]

حضرت عبدالرحمنؓ کے کاروبار مین خداے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی وہ خود فرماتے ہین کہ اگر مین پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثون کے لیے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہان تک کہ چارون بیویون نے جائداد متروکہ کے صرف آٹھوین حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹین اتنی بڑی بڑی تھین کہ کلھاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئین اور کاٹنے والون کے ہاتھون مین آبلے پڑ پڑ گئے، جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین ہزار بکریان چھوڑین۔[۳]

غذا و لباس | دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر و فاقہ یاد کرکے آنکھین پرنم ہوجاتین، لباس مین زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا، کیونکہ بیماری کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے خاص طور پر اجازت دی تھی، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیبِ تن کئے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان مین ہاتھ ڈالکر اس کے پرخچے اڑا دیے، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہین ہے کہ رسول اللہ صلعم

[۱] اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۷، [۲] استیعاب ج ۲ ص ۴۰۳، [۳] اسدالغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۷ [۴] اصابہ ج ۴ ص ۱۷۷،

نے مجھے اجازت دی ہے" فرمایا ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمھارے لیے اجازت ہے دوسرون کے لیے نہین[1]"۔

حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ وسپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلین، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیان موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے اور غزوۂ احد مین زخمی ہونے کے باعث پاؤن مین لنگ تھا[2]

اولاد وازواج حضرت عبدالرحمن رضؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین بیویون کے ساتھ عموماً لطف ومحبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر مین دیئے[3]

بیویون کے نام یہ ہین:۔

کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضر بنت الاصبغ، کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ بنت عاصم، بحریہ بنت ہانی، سہلہ بنت سہیل، ام حکیم بنت قارظ، بنت ابی الحشحاش، اسماء بنت سلامہ، ام حریث یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھین، مجد بنت یزید، غزال بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھین بعض مورخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شاہزادی تھین، زینب بنت الصباح، بادیہ بنت غیلان[1]

حضرت عبدالرحمنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکون کے نام معلوم ہوسکے وہ یہ ہین:

سالم، اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد، ابو سلمہ فقیہ، ابراہیم، اسماعیل، حمید، زید، معن، عمر، عدی، عروۂ اکبر، سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، عبدالرحمن، مصعب، سہیل (ابوالابیض) عثمان، عروہ، یحیی، بلال،

صاحبزادیون کے نام یہ ہین: ام القسم، یہ زمانہ جاہلیت ہی مین پیدا ہوئی تھین، حمیدہ، امۃ الرحمن صغریٰ، ام یحیی، جویریہ، امیہ، مریم،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف [2] اصابہ ج ۴ صفحہ ۱۷۷،

[3] طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف [4] استیعاب ج ۲ ص ۴۰۲

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام نسب، خاندان سعد نام، ابو اسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت صلعم کی ننہال زہری خاندان میں تھی اسلئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرورِ کائنات صلعم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا[1]،

اسلام حضرت سعد وقاصؓ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے،

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا[2] اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انھوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا،

استقامت حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیلِ مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا، پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرمان بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر د

---

[1] اسد الغابہ جز ۲ صفحہ ۲۹۱، [2] بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاصؓ،

شرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن بھی نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدمِ اطاعت کا ایک قانونِ عام بنا دیا گیا[1] "وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[2] الآیہ

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے

حضرت سعد وقاص رض کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ رض کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی حضرت سعد وقاص رض کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے مارا کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد وقاص رض کے ہاتھ سے عمل میں آئی[3]،

ہجرت مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر و تحمل لبریز ہو گیا تو آنحضرت صلعم نے صحابۂ کرام کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا، اس حکمِ عام کی بنا پر حضرت سعد وقاص رض نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے[4] جنھوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی،

---

[1] مسلم مناقب سعد وقاص رض،

[2] ترجمہ:- اگر والدین تجھکو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جسکا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر، [3] اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۲۹۱ [4] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث، صفحہ ۹۹،

یہان پہنچکر مسلمانون کو گو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، آنحضرت صلعم نے پیش بینی کرکے حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسّی سوارون کیساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لیے روانہ فرمایا حضرت سعد وقاصؓ بھی اس جماعت مین شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ مین قریش کی ایک بڑی تعداد سے مٹ بھیڑ ہوئی چونکہ محض تجسس مقصود تھا اسلئے کوئی جنگ پیش نہ آئی مگر حضرت سعد وقاصؓ کو کہان تاب تھی انھون نے ایک تیر چلاہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا مین چلایا گیا[1]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاصؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لیے روانہ کیگئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دورہ کرکے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد عبداللہ بن الحجشؓ کے ساتھ دشمن کی خبرگیری پر مامور ہوئے، آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن الحجشؓ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اسکی ہدایتون پر عمل کرین، انھون نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اسمین لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائین، حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیون کو فرمان کا مضمون سناکر کہا "مین کسی کو مجبور نہین کرتا جسکو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے" حضرت سعد وقاصؓ اور تمام دوسرے ساتھیون نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعةً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوانؓ اور حضرت سعد وقاصؓ کا اونٹ جو مشترک طور پر دونون کی سواری مین تھا گم ہوگیا اور اس طرح وہ دونون پیچھے چھوٹ گئے، عبداللہ بن حجشؓ نے نخلستان مین پہنچکر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیون کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جسمین رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی،

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۳۳۸،

اس لیے سرورِ کائنات صلعم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ مین نے تمھین جنگ کا حکم نہین دیا تھا مسلمانون نے بھی عبداللہ اور ان کے ساتھیون کو ملامت کی لیکن وحیِ الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کردیا،

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ	لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہین کہ اس مین لڑنا
قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ	(جائز ہے) کہدو اس مین لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے
وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اہلہ	روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے
منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من	باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکالدینا خدا کے
القتل،	نزدیک اس سے بھی بڑھکر ہے اور فتنہ کشت و خون
(بقرہ ۲۷)	سے زیادہ برا ہے،

قریش فدیہ لیکر اپنے قیدیون کو چھڑانے آئے لیکن اُسوقت تک عتبہ بن غزوان رضؓ اور سعد وقاص رضؓ کا کچھ پتہ نہ تھا اسلیے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونون صحیح وسلامت پہنچ نہ جائین تمھارے قیدی رہا نہ ہونگے، غرض جب یہ دونون جان نثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

غزوات

غزوۂ بدر | معرکۂ بدر سے مستقل جنگون کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد وقاص رضؓ نے اس جنگ مین غیر معمولی شجاعت وجانبازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیلِ کفار کو تہ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی لیے ہوئے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لیے ارشاد ہوا کہ جہان سے اٹھائی ہے وہین رکھدو،

حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ مین شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین و ملول واپس آئے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلعم نے ان کو بلاکر تلوار لینے کی اجازت دیدی۔[1]

غزوۂ احد

سنہ ۳ ھ مین غزوۂ احد پیش آیا اس جنگ مین تیراندازون کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانون کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیون کے پاؤن اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد وقاصؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف مین تھے جنکے پاے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعدؓ تیراندازی مین کمال رکھتے تھے اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلعم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے یا سعد ارم فداک ابی وامی یعنی "اے سعد! تیر چلا میرے باپ مان تجھ پر فدا ہون"۔[2]

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مین نے رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے سعدؓ کے سوا اور کسی کے لیے "فداک ابی وامی" کا جملہ نہین سنا لیکن دوسری روایتون مین حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہین، بہرحال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد مین یہ فخر صرف حضرت سعد وقاصؓ کے لیے مخصوص تھا۔[3]

اثناے جنگ مین ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملون سے مسلمانون کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت صلعم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیرون سے خالی ہوچکا تھا، حضرت سعدؓ نے تعمیلِ ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس مین پھل نہین تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت صلعم ان کی قادر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہان تک کہ دندان

[1] مسند ج ۱ صفحہ ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاصؓ [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد [3] فتح الباری کتاب المناقب مناقب سعد وقاصؓ

مبارک نظر آنے لگے[1]

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخلِ سقر ہوا[2]

متفرق غزوات

غزوۂ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کیساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتحِ مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا جس کا اظہار غزوۂ احد میں کرچکے تھے،

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر سنہ ھ میں سرورِ کائنات صلعم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاصؓ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچکر سخت علیل ہو گئے یہانتک کہ جب آنحضرت صلعم عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہوکر عرض کرنے لگے یارسول اللہ میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر میں لگا دوں؟" ارشاد ہوا "نہیں!" پھر عرض کی "دو ثلث نہیں تو نصف سہی" حکم ہوا "نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضاجوئی کے لیے صرف کروگے اس کا اجر ملے گا، یہانتک کہ اپنی بیوی کے منھ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤگے"[3]

ایک مبارک پیشنگوئی

حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ صلعم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو؟" عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی

---

[1] مسلم کتاب المناقب مناقبِ سعدؓ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی صہ ۲۵ [3] مسلم کتاب الوصیۃ،

جسکو خدا اور رسول کی محبت مین ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا" آنحضرت صلعم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھکر تین دفعہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا! اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا یعنی اے خدا سعد کو صحت عطا کر! سعد کو صحت عطا کر! رسول اللہ صلعم کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لیے آب حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے، ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مروگے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے،[1] یہ پیشینگوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن مین عجم قوم نے آپ کے ہاتھون سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اوٹھایا،

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اکرم صلعم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رض سقیفہ بنی ساعدہ مین کثرت آرار سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاص رض نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی،

خلیفہ اول نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق رض اعظم کو جانشین کرکے رحلت گزین عالم جاودان ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہوکر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمر رض نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب مین جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملون کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ صرف کی، چونکہ حضرت سعد وقاص رض کے آئندہ کارنامون کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج

[1] مسلم کتاب الوصیۃ، ۲ے بحوالۂ مذکور،

ذیل ہین:-

عراق کی فوج کشی اہل عرب اور ایرانیون مین نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیون نے بارہا عربون کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراقِ عرب اور سرحدی علاقون پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع پاتے بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ مین جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلّہ کی طرف غارتگری شروع کر دی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مثنیٰ نے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ تمام عرب مین اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اسلیے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفۂ اوّل نے مثنیٰ کو اجازت دیدی اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا، انھون نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لیے لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہان کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اسلیے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائین، لیکن خالد سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعۃً سرد پڑ گئی،

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی، اور ابو عبیدہؓ کو ایک فوج گران کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انھون نے ایرانیون کو متفرق معرکون مین شکست دے کر تمام متصلہ علاقون پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے

کنارے ایک مقام پر جسکا نام مروحہ تھا غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی
چونکہ بیچ مین دریا حائل تھا اس لیے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا
ہم آئین، ابو عبیدہ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے مین خود دریا
پار اتر کر مقابلہ کیا لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے وہ ہوا یعنی مسلمانون کو نہایت افسوسناک
شکست ہوئی،

حضرت عمرؓ نے کمک بھیجکر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ ابو عبیدہ کام آچکے تھے اسلیئے
مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی انھون نے معرکۂ بویب اور دوسری جنگون مین
دشمن کو پے در پے شکستین دیکر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا،

ایرانیون کو اب تک مسلمانون کی جارحانہ قوتون کا اندازہ نہ تھا ان فتوحات نے ان کی
آنکھین کھول دین ارکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لیے نئی تدبیرین اختیار
کین، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسرے کے اصلی وارث یزد
گرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک مین اتحاد، اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی یہان تک
کہ مسلمانون کے مفتوحہ مقامات مین بھی بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً
عرب کی سرحد مین ہٹ آنا پڑا،

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب مین پر جوش و جادو بیان خطیب
پھیلا دیئے کہ وہ اپنی پر تاثیر تقریرون سے قبائل عرب کو جنگ مین شریک ہونے کے لیے
آمادہ کرین، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین دار الخلافت کی طرف جنگ آزما بہادرون
کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت سعد وقاص جو عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے انھون نے
اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے جنمین سے ہر ایک تیغ و تفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج تو جمع

سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ وقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لیے کوئی شخص موزون نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کیگئی تو انھون نے بھی اس بارگران کے اٹھانے سے انکار کر دیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہوگئے لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے، کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہین ہے، لوگ اسی حیص بیص مین تھے کہ دفعۃً حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اٹھکر کہا کہ مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اوٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔[1]

سپہ سالاری | حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلعم کے ماموں تھے اس کے ساتھ بہادری و شجاعت مین بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا حضرت عمرؓ کو گو سپہ سالاری کے لحاظ سے ان کی قابلیتون کا تجربہ نہ تھا، تاہم اونھون نے تائید عام سے مجبور ہوکر منظور کرلیا اور ہر قسم کی ہدایتین اور نشیب و فراز سمجھا کر زمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دیدی،

غرض اسطرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشان و تابان ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولوالعزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نام آورون کی صف مین ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کرکے منزل بمنزل طے کرتے ہوئے ثعلبیہ پہنچے، یہان تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہان سے چلکر مشراف مین خیمہ زن ہوئے، مثنیٰ مقام ذی قار مین آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیون کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کرکے رہ گزین عالم جاودان ہوئے، معنیٰ نے حسب ہدایت مشراف مین آکر ملاقات کی اور مثنیٰ

[1] طبری ص ۲۲۱۵،

نے جو ضروری مشورے دیئے تھے حضرت سعد وقاصؓ سے بیان کئے،

حضرت سعدؓ نے شراف مین اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائین کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہون اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہان سے روانہ ہوکر عذیب مین عجمیون کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعون پر مورچے جما دیئے،

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے سرداران قبائل مین سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے اور سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دین، چنانچہ انھون نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین مین بڑی ردّ و قدح ہوتی رہی، آخر مین مسلمانو نے کہا کہ اگر تم اسلام نہین قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہین کہ ایک دن تمھاری زمین ہمارے تصرف مین آئیگی، مسلمانون کی صاف بیانی پر غضبناک ہوکر مسلمانون کی اس پیشین گوئی پر جھلا کر خاک دھول منگا کر کہا کہ لو یہ تمکو ملیگی، عمرو بن معدی کرب نے اسکو اپنی چادر مین لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور انکے سامنے رکھکر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی" غرض سفرا واپس آگئے اور جنگ کی تیاریان شروع ہوگئین، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط مین مقیم تھا اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ مین ڈیرے ڈالے،

رستم کی فوجین قادسیہ پہنچین تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہین، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لیے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس مین کبھی کبھی دشمن کا سامنا

بھی ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ میں گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی، لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں، آخری سفارت میں مغیرہ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا کہ "کل تمہاری فوجیں تہ و بالا کر ڈالونگا" مغیرہ نے واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیدیا،

جنگ قادسیہ

رستم اس قدر غضبناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آرا ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعراء اور پرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے، اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو بیتاب کر رکھا تھا،

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی، گو وہ خود عرق النسا کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد بن عرفطہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالاخانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے

تھے، پرچون پر لکھکر اور گولیان بناکر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتون کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیون کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سوارون کے پاؤن اکھڑ جائین حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھکر فوراً قبیلۂ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائین، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلۂ تمیم کو جو نیزہ بازی، اور قادر اندازی مین کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمھارا کمال ہاتھیون کے مقابلہ مین کیا ہوا؟ یہ سنکر انھون نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کا رن رہا شام ہوئی تو دونون فریق اپنے اپنے پڑاؤ مین واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی مین یوم الارماث کہتے ہین،

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی عین ہنگامۂ کارزار مین شام کی امدادی فوجین بھی پہنچ گئین، اس تائید غیبی سے مسلمانون کا جوش دوبالا ہوگیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والون کی رگ شجاعت مین ہیجان پیدا ہو رہا تھا، ابو محجن ثقفی جنکو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم مین اپنے قصر مین مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھکر بیتاب ہو رہے تھے ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ (سعدؓ کی بیوی) سے درخواست کی کہ اس وقت مجھکو چھوڑ دو لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آکر بیڑیان پہن لونگا، سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے،

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا   واترک مشدودا علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیان کر رہے ہین   اور مین زنجیر مین بندھا پڑا ہون

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت   مصاریع دونی تصم المنادیا

جب مین کھڑا ہونا چاہتا ہون تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے — اور دروازے اس طرح سے بند کر دئیے جاتے ہین کہ پکارنے والا پکار پکار کے تھک جاتا ہے

ان اشعار سے سلمیٰ نے متأثر ہو کر خود بیڑیاں کاٹ دین اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ مین کود پڑے اور لوگون کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود اگر بیڑیاں پہن لین سلمیٰ نے یہ حالات سعد سے بیان کئے تو انھون نے کہا "خدا کی قسم مین ایسے فدائی اسلام کو سزا نہین دے سکتا" اور اسی وقت رہا کر دیا ابو محجن پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آیندہ شراب سے توبہ کر لی،

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور شور مین کچھ فرق نہ آیا، زیادہ وقت ہاتھیون کی وجہ سے تھی وہ جس طرف جھک پڑتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کر دیتے تھے حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیون کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیون کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ مین ہے، انھون نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیون کو ملا ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوئے، ہاتھیون سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب مین تیسرا نعرہ بلند کرون تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللّٰھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا تو قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھکر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اس کو معاف کرنا اور معین و مددگار رہنا غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانون کے ثبات و استقلال نے ایرانیون کے پاؤن اکھاڑ دیئے، رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی

نے تعاقب کرکے اسکا کام تمام کر دیا،

حضرت سعدؓ نے بارگاہِ خلافت مین نامۂ فتح روانہ کرکے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ مین شریک نہ تھے اس لیے بعض سپاہیون کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا،

وقاتلت حتی انزل اللّٰہ نصرہ — وسعد بباب القادسیہ معصم

مین نے جنگ کی یہان تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، — حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازے سے چمٹے رہے،

فابنا وقد آمت نساء کثیرۃ — ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

ہم لوٹے تو بہت سی عورتین بیوہ ہوئین — حالانکہ سعد کی بیویون مین سے کوئی بھی بیوہ نہوئی،

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصّل تقریر کرکے اپنی معذوری ظاہر کی،

عراق عرب پر عام لشکرکشی حضرت سعدؓ نے معرکۂ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ مین تمام عراقِ عرب کو زیر نگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی بابل مین پناہ گزین تھے، اس لیے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انھون نے خود مجبیون پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ مین بڑے بڑے سردارون نے پیشوائی کرکے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیے، کہ اسلامی فوجین آسانی کے ساتھ گذر جائین، بابل پہنچکر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ مین اسکو فتح کر لیا اور خود یہان قیام کرکے زہرہ کی افسری مین کچھ فوجین آگے روانہ کر دین، انھون نے کوثی پہنچکر دم لیا اور وہان کے رئیس شہریار کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کر لیا،

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہین قید کیا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو

گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تلک الایام نداولھا بین الناس،

کوثیٰ سے آگے بڑھ کر پایۂ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہان خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لیے چھوڑا گیا اس نے تڑپ کر اسلامی شیرون پر حملہ کیا لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو گیا حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انھون نے انکے قدم کا بوسہ دیا،

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثنا مین متعدد ہولناک جنگین ہوئین لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا ایک روز خود ایرانی فوجین تنگ آکر جوش وخروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلین اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہین، اسی حالت مین ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ تمام فوجین بھاگ کھڑی ہوئین اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اڑا دیا،

بہرہ شیر اور مدائن (پایۂ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کے خوف سے جہان جہان پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انھون نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا، برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن مین پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائین تو پھر مطلع صاف ہے، یہ کہکر گھوڑا دریا مین ڈالدیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھکر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈالدیئے، اور باہم باتین کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے، ایرانی اس عجیب وغریب جوش واستقلال کا منظر دیکھکر "دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا

لیکن مسلمانون نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچکر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا، یزدگرد شاہِ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا جو بجنسہ مدینہ روانہ کیا گیا،

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن مین داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتین نکلین،

کم ترکوا من جنت وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فٰکہین کذٰلک واورثنٰہا قوما آخرین (دخان ع ۲)	(اگلی قومین) کس قدر باغ چشمے کھیتیان اور طرح طرح کی نعمتین عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسین جس مین خوش باش زندگی بسر کرتی تھین اور ہمنے ان چیزون کا مالک دوسری قومون کو بنا دیا،

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراقِ عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤسا اور جاگیردارون نے سپر ڈال کر صلح کر لی، اور تمام ملک مین امن و امان کی منادی ہو گئی جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور حاکم و محکوم مین اسقدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا،

عراقِ عرب مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ "دولت و حکمرانی کے مقابلہ مین مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیون کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سردست اسی پر اکتفا کر کے ممالکِ مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ مین لیا،

امارت — اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور اب وہ والیِ ملک

کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم ونسق مین مصروف ہوگئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جسقدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونون مشکلات پر غالب آئے، انھون نے جس خوبی وعمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دئے، اس سے زیادہ اس زمانہ مین ممکن نہ تھا، دربار خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندون کے ہاتھ مین رہنے دیا البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا اسکا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن وآسایش کا انتظام کیا، عجمیون کے ساتھ اس قدر خلق وشفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کرلیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤسا اسی اثر سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤسا تھے خود بخود مسلمان ہوگئے اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی،

تعمیر کوفہ حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن مین قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہان کی آب وہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد مین کوئی مناسب سرزمین تلاش کرکے ایک نیا شہر بسائین اور عربی قبائل کو آباد کرکے اس کو مرکز حکومت قرار دین، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزون جگہ منتخب کرکے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلون کو جدا جدا محلون مین آباد کیا، وسط شہر مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جسمین تقریبًا چالیس ہزار نمازیون کی گنجایش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا،

کچھ دنون کے بعد بیت المال مین چوری ہوگئی حضرت سعدؓ نے اسکی رپورٹ دارالخلافت مین بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیون کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انھون نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کارگیری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اسکو دارالخلافت بھیجدیا جہان ہمیشہ کے لیے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا،

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار مین تھا اس لیے شور و شغب کے باعث باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انھون نے اس سے بچنے کے لیے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اسمین پھاٹک لگوایا، بارگاہ خلافت مین اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کیلئے یہ سد راہ نہ ہوجائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس مین آگ لگا دین، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد وقاصؓ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کیے،

متفرق انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی جہان تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہین دی جاتی تھین، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیون پر افسر ہوتے تھے جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہین ان کو دی جاتی تھین اور وہ اپنے ماتحت سپاہیون کو تقسیم کر دیتے تھے ایک دفعہ امراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بے اعتدالی کی اور اس کی وجہ سے فوج مین برہمی کے آثار نمایان ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دو بارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگون کے عہدے اور روزینے مقرر کیے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیون پر ایک ایک افسر متعین کیا،[1]

شام کی اسلامی فوجون نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیون
کی مدد کے لیے روانہ ہوئے لیکن حضرت سعد وقاصؓ نے جو ملک کے اندرونی وسرحدی واقعات
سے ہروقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گران بھیجکران کو وہین روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا[1]
سنہ ۲۱ھ مین ایرانیون نے عراق عجم مین نہایت عظیم الشان جنگی تیاریان کین اور مسلمانون
کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریون کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزون
مین اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کیے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا حضرت سعد وقاصؓ
نے یہان نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریان شروع کین اور دربار خلافت کے ایما سے نعمان بن
مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی مین افسر مال تھے اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہان ایک جماعت
ایسی پیدا ہوگئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی اور کہتی تھی کہ بصرہ والون نے خوامخواہ فارس
پر حملہ کرکے یہ لڑائی مول لی ہے حضرت سعد وقاصؓ نے بارگاہ خلافت مین ان لوگون کی شکایت
لکھی تو ان مین سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیون کو ان سے شدید عداوت پیدا ہوگئی
اور انھون نے مدینہ پہنچکر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہین پڑھاتے ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ
جیسے عالی مرتبت وبلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی، حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو
ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا
انھون نے کوفہ کی ہر ایک مسجد مین گشت کرکے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے
یک زبان ہوکر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن سلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہوکر دونون
فریق کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا، سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو
کہ لوگ شکایت کرتے ہین؟ انھون نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتون مین لمبی سورتین پڑھتا ہون

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۲،

اور دونون آخری مین صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہون۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بیشک تمھاری نسبت یہی گمان ہوسکتا ہے[1]،

معزولی | گو الزام بے دنیا د ثابت ہوا تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہوگئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا چنانچہ حضرت سعد وقاصؓ جنکو اپنا جانشین بنا آئے تھے حضرت عمرؓ نے انھین کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی[2]،

حضرت سعد وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا فرمایا کرتے تھے کہ مین عرب مین سب سے پہلا شخص ہون جس نے راہ خدا مین تیراندازی کی ہے ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہین جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہین اور عار دلاتے ہین کہ مین نماز اچھی نہین پڑھاتا[3]

فاروق اعظم کی سفارش | ۲۳ھ مین حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی حالت نزع مین لوگون نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انھون نے اس منصب کے لیے چھ آدمیون کے نام پیش کئے، ان مین ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کیلئے منتخب نہ ہوسکین تو جو منتخب ہو اُسے چاہیئے کہ ان کے خدمات سے فائدہ اُٹھائے کیونکہ مین نے انھین کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہین کیا تھا،

دوبارہ تقرری | فاروق اعظمؓ کی تجہیز وتکفین کے بعد مجلس شوری نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستار خلافت باندھی اور انھون نے حسب وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس

[1] طبری ص ۲۶۰۶، ۲۶۰۷، [2] ایضاً ص ۲۶۰۸ [3] بخاری باب مناقب سعد،

تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ مین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہوجانے کے باعث پھر معزول ہوگئے[1]،

دورِ فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی

حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ مین عزلت نشینی اختیار کرلی یہان تک کہ جب خلیفۂ ثالث کے آخری عہدِ حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری مین مخل نہوا البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن معاملاتِ ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ مین اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگون نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انھون نے معذرت کی اور کہا "مجھے ایسی تلوار تیار دو جو مسلم وکافر مین امتیاز رکھے"[2]،

حضرت سعد وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعد نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل مین اونٹ چرا رہے تھے آکر کہا، "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل مین اونٹ چرائین اور لوگ بادشاہت و حکومت کیلئے اپنی اپنی قسمت آزمائین؟" حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا "خاموش! مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے"[3]

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے جب پنچایت مقرر ہوئی تو حضرت سعد وقاصؓ بھی اس خوشی مین کہ اب خانہ جنگیون اور خونریزیون کا خاتمہ ہوجائے گا، فیصلہ سننے کے لیئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلتکدہ مین واپس گئے اور تمام جھگڑون سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے،

---

[1] استیعاب ج ۲ تذکرۂ سعد [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ [3] اسد الغابہ تذکرۂ سعد مین اجمالاً اسکا ذکر ہے

وفات | حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق مین اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی مین بسر ہوئی آخر عمر مین قوی مضمحل ہو گئے تھے اور آنکھون کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہان تک کہ ۵۵ھ مین طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق مین ہمیشہ کے لیے اس قفس عنصری کو خیرباد کہا، حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ بدر مین جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور لاش[1] مدینہ لائی گئی، بعض امہات المومنین اس وقت تک زندہ تھین، انھون نے حکم دیا کہ اس جان نثار رسول صلعم کا جنازہ مسجد مین لایا جائے چنانچہ مسجد مین ان کے حجرون کے سامنے نماز ادا کیگئی، امہات المومنینؓ بھی نماز مین شریک تھین کسی نے مسجد مین نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلعم نے سہیل بن البیضا، پر مسجد مین نماز نہین پڑھائی تھی[2]؟"

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع مین مدفون ہوئے، ستر برس سے زیادہ عمر پائی، اور اس عرصہ مین وہ اپنے عظیم الشان کارنامون کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اخلاف قیامت تک فخر و مباہات کیساتھ ان پر رطب اللسان رہین گے،

علم وفضل | حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ، رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت کرین تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو[3] رسول اللہ صلعم سے تحصیل علم مین کبھی پس وپیش یا شرم وحجاب دامنگیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہ نبوت مین حاضر تھے، آنحضرت صلعم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے لیکن اس مین سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی

---

[1] طبقات ابن سعد جزء سادس [2] اسد الغابہ تذکرہ سعد [3] ابن سعد جزء ۳ قسم اوّل تذکرہ سعد بن ابی وقاص،

یارسول اللہ صلعم میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا، مومن یا مسلم" لیکن حضرت سعد رضؓ کو تشفی نہ ہوئی، انھون نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت صلعم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعد رضؓ نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا، یہان تک کہ رسول اللہ نے یہ فرما کر تشفی کردی کہ بسا اوقات اس سے جسکو عطیے دیتا ہون وہ شخص جس کو کچھ نہین دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے[1]،

اخلاق وعادات | حضرت سعد رضؓ کے صحیفۂ اخلاق مین خشیتِ الٰہی، حبِّ رسول، تقوی، زہد، بے نیازی اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہین، خوفِ خدا اور عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے مین مسجد نبوی مین آکر نمازین پڑھا کرتے تھے، طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی لیکن اسلام مین ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور رہتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعون رضؓ کو رسول اللہ صلعم نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا، تو مین اس کو اختیار کرلیتا[2]،

رسول اللہ صلعم کے ساتھ محبت وجان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات مین ہمرکاب رہے، غزوۂ احد مین جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہ رضؓ پریشانی اور گھبراہٹ مین منتشر ہوگئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انھون نے اور حضرت طلحہ رضؓ نے خیر الانام کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر مین عموماً خود شوق سے رسول اللہ صلعم کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کسی غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہان دشمنون کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت صلعم دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب مین سے کوئی مرد صالح آج پہرا دیتا، حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہین ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے مین آئی، آنحضرت صلعم نے

[1] بخاری کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة [2] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۷۵ [3] ایضاً ص ۱۷۵

پوچھا کون ہے؟ عرض کی "سعد بن ابی وقاص" ارشاد ہوا تم کیسے آئے" عرض کی "خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ صلعم کی حفاظت کرنا چاہیے اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں" ۔ آنحضرت صلعم اس جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔[1]

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے انھوں نے حالت کفر میں غزوۂ احد میں رسول اللہ صلعم کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے "واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا"

اتباع سنت اور رسول اللہ صلعم کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے بعض اہل کوفہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ صلعم کی نماز سے سر مو انحراف نہیں کرتا۔[2]

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا تشریف لے جا رہے تھے راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ صلعم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا اس لیے انھوں نے اس کے اوزار چھین لیے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے معاذ اللہ میں رسول اللہ صلعم کی بخشش کو واپس کر دونگا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔[3]

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ "میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا"

[1] مسلم مناقب سعدؓ، [2] بخاری باب صفۃ الصلاۃ [3] مسلم باب فضل المدینہ [4] مسند ج ۱ ص ۱۶۹،

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جبکہ کسریٰ کے وارثون نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لیے خالی کردیا تھا ان کو اونٹ اور بکریان تک چرانے مین عار نہ تھا، افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر مین آگ لگائی گئی وہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے،

ذریعۂ معاش و جاگیر ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوات مین جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیون کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کردیا، خیبر کی مفتوحہ آراضی مین جاگیر ملی، ایران کے مالِ غنیمت مین حصہ ملا، اسی طرح دورِ فتنہ و فساد مین ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی مین ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے، کوفہ مین اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق مین عالیشان محلات تعمیر کرلئے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی مین کچھ فرق نہین آیا تھا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیان نہایت موٹی اور مضبوط،

ازواج حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین، بیویون کے نام یہ ہین،

بنت الشہاب[1]، بنت قیس بن معدی کرب[2]، ام عامر بنت عمرو[3]، زبدہ[4]، ام ہلال بنت ربیع[5]، ام حکیم بنت قارظ[6]، سلمی بنت حفص[7]، ظبیہ بنت عامر[8]، ام حجیر[9]،

اولاد حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادین تھین، ان مین سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیان بھی اسی قدر تھین، سب کے نام حسب ترتیب درجِ ذیل ہین،

لڑکے اسحاق اکبر[1]، عمر[2]، محمد[3]، عامر[4]، اسحاق اصغر[5]، اسمٰعیل[6]، ابراہیم[7]، موسیٰ[8]، عبداللہ[9]، عبداللہ اصغر[10]، عبدالرحمن[11]، عمیر الاکبر[12]، عمیر الاصغر[13]، عمرو[14]، عمران[15]، صالح[16]، عثمان[17]،

لڑکیاں | ام الحکیم کبری، حفصہ، ام القسم، کلثوم، ام عمران، ام الحکیم صغری، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسیٰ، حمنہ، ام عمر، ام ایوب، ام اسحاق، رملہ، عمرہ، عائشہ،

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ

نام، نسب، خاندان | عامر نام، ابوعبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبداللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہوکر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلۂ نسب یہ ہے عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری، حضرت ابوعبیدہؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات صلعم سے ملجاتا ہے،

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں

اسلام | حضرت ابوعبیدہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے[1]

ہجرت | اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے دو مرتبہ ہجرت کرکے حبشہ تشریف لے گئے پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے یہاں رسول اللہ صلعم نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرادیا[2]

غزوات | مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور مبارزت طلبی کرکے میدانِ جنگ کی دعوت دی چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ شجاعت وجانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار رہے، ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانا چاہا، حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے لیکن

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۷، [2] اصابہ جلد ۴ ص

جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش توحید نسبی تعلق پر غالب آگیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں باپ بھائی بہن غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی وشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی،

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ[1]، (سورۂ مجادلہ رکوع ۳)

تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گو وہ انکے باپ بیٹے بھائی یا ان کے کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں، یہی وہ (مسلمان) ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے

(اصابہ [illegible])

غزوۂ احد میں آنحضرت صلعم کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئی تھیں جس سے سخت تکلیف تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے، لیکن رسول اللہ صلعم کی خدمت گذاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پروا نہ تھی[2]،

غزوۂ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار رہے، پھر ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے چنانچہ انھوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچکر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا[3]،

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۸۵ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۲۹۸، [3] ابن سعد حصہ مغازی صفحہ ۶۲،

اسی سال بیعتِ رضوان مین شریک ہوئے بلکہ مقام حدیبیہ مین قریش مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا اس پر ان کی شہادت بھی تھی[1] پھر ۷ھ مین خیبر کی فتح کشی مین رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب ہوئے اور اس کی فتح مین شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ کائنات صلعم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہان پہنچکر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے انھون نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوعبیدہؓ کی زیرِ امارت دوسو جنگجو بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے ملگئی تو قدرۃً امامت و سپہ سالاریِ عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی جلالتِ شان وعلوِ مرتبت کے مقابلہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس شرف گرامی کا استحقاق نہ تھا تاہم ان کے ضد اور اصرار سے حضرت ابوعبیدہؓ نے اطاعت کا طوق خود اپنے گلے مین ڈال لیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کرکے غنیم کو زیر وزبر کردیا[2]

رجب ۸ھ مین ایک دوسری مہم خود حضرت ابوعبیدہؓ کی زیرِ قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلون کی نقل وحرکت کا پتہ چلائین، اور سامانِ رسد مین صرف کھجورین ساتھ کردی گئین یہان تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنون تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کردی اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے[3]

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص۷۱، [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص۹۵ [3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ سیف البحر

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابوعبیدہؓ ان تمام معرکون مین جان بازی کے ساتھ پیش پیش رہے،

متفرق خدمات جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابوعبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں مثلاً سنہ ۹ھ مین اہل نجران نے بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑون کو بھی فیصل کرے، آنحضرت صلعم نے فرمایا، "ابوعبیدہ اٹھو" جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا" یہ اس امت کا امین ہے اس کو تمھارے ساتھ کرتا ہون[1]"

آنحضرت صلعم نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی اور علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابوعبیدہؓ ایک دفعہ وہان سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے جب لیکر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح مین انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، آنحضرت صلعم نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگون کو ابوعبیدہ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگون نے عرض کی، ہان یارسول اللہ! سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا" بشارت ہو کہ آج تمھین خوش کر دونگا، لیکن خدا کی قسم مین تمھارے فقر و افلاس سے نہین ڈرتا بلکہ مجھے خوف ہے کہ پہلی قومون کی طرح تمھارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائیگی اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا ہے، تمھین بھی ہلاک کرے گی[2]"

سنہ ۱۰ھ مین رسول اللہ صلعم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابوعبیدہؓ ہمرکاب تھے اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلعم نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتش خرمن سوز کے بجھانے مین امین امت کی کوششین بھی کسی سے کم نہین، چنانچہ انھون نے انصارؓ کو مخاطب

[1] بخاری قصہ اہل نجران [2] بخاری کتاب الرقاق باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا،

کر کے فرمایا،

یا معشر الانصار انکم کنتم اول من نصر — اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ

فلا تکونوا اول من غیر[1] — بڑھایا تھا اس لئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی ہو جاؤ

حضرت ابو بکر صدیق رض نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا "دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ان کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو عبیدہ بن الجراح موجود ہیں جنکو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے" ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبر رض کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھکر سب سے پہلے بیعت کرلی[2] اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھنٹ گیا،

شام کی سپہ سالاری حضرت ابو بکر صدیق رض نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہ رض کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیل کو اردن پر، عمرو بن العاص رض کو فلسطین پر مامور کیا اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں تو ابو عبیدہ رض سپہ سالار عام ہوں گے،

حضرت ابو عبیدہ رض جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو کثیر التعداد رومی فوجوں کا سامنا ہوا، یہ دیکھکر انھوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولید رض جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے اور متحدہ فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا،

---

[1] یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۳۷ [2] ایضاً

فتح دمشق دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفۂ اول نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت مین، خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے اور شہر مین داخل ہوکر دروازے کھول دیئے حضرت ابوعبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے عیسائیون نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کرلی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ مین سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے، وسطِ بازار مین دونون آدمیون کا سامنا ہوا، حضرت ابوعبیدہؓ نے صلح کرلی اور مفتوحہ حصّہ کو بھی صلح مین رکھا اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے۔[1]

معرکۂ فحل دمشق فتح کرکے اسلامی فوجین آگے بڑھین اور مقام فحل مین خیمہ افگن ہوئین، رومیون کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام بیسان مین تھا، انھون نے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت وشنود کے لیے ایک سفیر بلایا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے لیکن یہ سفارت بےنتیجہ رہی اور رومیون نے براہ راست حضرت ابوعبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لیے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھکر متحیر رہ گیا کہ یہان ہرایک ادنیٰ واعلیٰ ایک ہی رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، اور افسری وماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہین آتی، آخر اس نے گھبراکر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابوعبیدہؓ کے طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اس نے متعجب ہوکر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا "ہان" قاصد نے کہا "تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیان دینگے تم یہان سے چلے جاؤ" حضرت ابوعبیدہؓ نے انکار فرمایا اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دیدیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی حضرت ابوعبیدہؓ ایک ایک صف مین جاکر کہتے تھے،

عباد الله استوجبوا من الله النصر   خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ

[1] ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۳۶۳

بالصبر فان اللہ مع الصابرین، خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے،

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلبِ فوج مین تھے اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہان تک کہ مسلمانون کی قلیل تعداد نے رومیون کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دیدی اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیرنگین ہو گئے،

فتح حمص | یہان سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہلِ حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انھون نے خود بخود شہر حوالہ کر دیا[۱]، حضرت ابو عبیدہؓ نے یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا اور راہ مین شیرز، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات مین اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا،

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا حضرت ابو عبیدہؓ نے اسکو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان مین بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، شہر والون نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے، اس کو تائیدِ غیبی خیال کیا اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار مین مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیون کے ساتھ پلٹ کر غار مین چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکلکر دفعۃً شہر مین گھس گئے اور آسانی کیساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا[۲]

یرموک کی فیصلہ کن جنگ | رومیون کی متواتر ہزیمتون نے ان کے آتشِ غیظ و غضب کو بھڑکا دیا، اور ہرقل شہنشاہِ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہو گئی، حضرت ابو عبیدہؓ کو خود شامی امراء اور رؤسا نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ

[۱] ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۳۸۱ و فتوح البلدان ص ۱۳۷ [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۹،

ہو گئے تھے تمام واقعات کی اطلاع دی، انھون نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریون کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسرون کو جمع کیا اور ایک پُرجوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیانؓ نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ عورتون اور بچون کو شہر مین چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلین اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چلکر مدد کو آئین" شرحبیل بن حسنہ نے کہا "یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندون کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے" حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا تو پھر سردست اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیون کو شہر بدر کر دین، شرحبیل نے اٹھ کر کہا "اے امیر یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تمکو ہرگز اسکا حق نہین ہے" حضرت ابوعبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجین دمشق مین مجتمع ہون، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے عیسائیون سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا سب واپس کر دیا، اور فرمایا کہ یہ تمھاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سردست اس سے عاجز ہین تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہین ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی، عیسائیون پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے

دمشق مین جب تمام اسلامی فوجین مجتمع ہو گئین تو حضرت ابوعبیدہؓ نے آگے بڑھکر یرموک کے میدان مین جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا، مورچہ جما اسی اثنا مین اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر نہایت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳، ۱۴۴،

مین لکھا کہ ہم کو مصلحۃً پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ تمام منتشر قوت مجتمع ہو جائے، بہر حال تم اپنی جگہ پر جمے رہو، مین عنقریب آکر تم سے ملتا ہون،

مسلمانون کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیون کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچکر مسلمانون کے مقابلہ مین خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکرگاہ مین پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانون کے مؤثر طریق عبادت، خشوع وخضوع اور محویت واستغراق نے اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کیساتھ دیکھتا رہا، یہان تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے چند سوالات کئے جنمین ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتین پڑھین،

یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا	اے اہل کتاب اپنے دین مین زیادہ غلو نہ کرو، اور خدا
عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ	کی طرف حق کے سوا غلط باتین نہ منسوب کرو حقیقت
رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ	مین مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہین،
لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ	مسیح بن مریم اور ملائکۂ مقربین کو خدا کی بندگی سے
وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ (سورہ نسار رکوع ۲۴)	عار نہین ہے،

جارج نے ان آیتون کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہین اور درحقیقت تمھارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہکر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم مین واپس جانا نہین چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیون کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہان سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا،

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونون فریق اور بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوگئے کیونکہ مسلمانون کی صرف دو شرطین تھین جو ہر موقع پر پیش کیجاتی تھین اور اس مین تغیر و تبدل قطعاً ناممکن تھا، یعنی "اسلام" یا "جزیہ" دوسری طرف رومی جو اپنی شاہنشاہی کے نشہ مین سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہین کرتے تھے، بہرحال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد مین صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانشمندی، فن سپہگری کی واقفیت اور خود سپاہیون کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤن اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم وبیش تین ہزار شہید ہوئے جنمین ضرار بن ازورؓ، ہشام بن العاصؓ، ابان، سعیدؓ وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے،

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانون کے خیر مقدم کے لیے تیار تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص پہنچکر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونون مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہوگئے، چند دنون کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈالدی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہوگیا،

بیت المقدس | ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کرکے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے، عیسائیون نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط لگائی کہ امیرالمومنین خود یہان آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھین، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھکر اس

لہ (حاشیہ صفحہ ۱۶۳) طبری کے نزدیک جارج خالدؓ کی کوششون سے اسلام لایا،

شہر والوں سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمایندے بھی یہین پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہو گیا[1]،

رومیون کی آخری کوشش | شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیون کے لئے سخت سوہان روح تھا، انھون نے جزیرہ اور آرمینیہ والون کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے،

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجین جمع کین اور دربارِ خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لیے آگے بڑھے، میدان جنگ مین پہنچکر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پرجوش و مؤثر تقریر کے بعد فرمایا "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی مین گواہی دیتا ہون کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت مین جائے گا" اس زمانہ مین اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا اس تقریر نے اور بھی گرما دیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کر دیا کہ رومیون کے پاؤن اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے، اسی طرح رومیون کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انھین کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہ ہوا،

امارت | حضرت خالد سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے لیکن ۱۷ھ مین حضرت

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۵،

عمرؓ نے ان کو معزول کرکے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالدؓ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انھون نے لوگون سے کہا تمھین خوش ہونا چاہیئے کہ امین امت تمھارا والی ہے" حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب مین کہا" مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ خالد خدا کی تلوارون مین سے ایک تلوار ہے" غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات مین مصروف ہوئے،

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام مین جو مختلف اصلاحین جاری کین ان مین سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل مین آئین ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے[1] اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلۂ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام مین آباد ہو گئے تھے اور عیسوی مذہب کے پیرو تھے، صرف حضرت ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے،

طاعون عمواس ۱۸ھ مین تمام ممالک مفتوحہ مین نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام مین اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہان تک کہ حضرت عمرؓ خود تدبیر و انتظام کیلئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سردارون نے یہان استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سنکر پہلے مہاجرین، پھر انصار سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائین دین، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انھون نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہان سے لوگون کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ مین کل صبح واپس جاؤن گا، سب ساتھ چلین،

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵۷؟

چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کیساتھ کہا "افراراً من قدر اللہ" یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابوعبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے، اس لیے انھون نے کہا "کاش! تمھارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہان تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہون لیکن تقدیر الٰہی کی طرف"[۱]

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھکر بلایا کہ کچھ دنون کیلئے یہان چلے آؤ تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابوعبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہان سے ٹل نہین سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہین لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لیکر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہان پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے[۲]

جابیہ پہنچکر حضرت ابوعبیدہؓ طاعون مین مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگون کو جمع کرکے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر مین فرمایا "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمھارے نبی کریمؐ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاے روزگار اس مین جان بحق ہوئے ہین، اور ابوعبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت مین حصہ پانے کا متمنی ہے"[۳]

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضاے الٰہی یعنی عبیدہؓ بن الجراح امین الامت نے داعی حق کو لبیک

---

[۱] مسلم باب الطاعون، [۲] فتح الباری ج ۱۰، صفحہ ۱۵۹ [۳] مسند ج ۱، صفحہ ۱۹۶،

کہا، حضرت معاذ بن جبلؓ نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر و پُر درد تقریر کے بعد کہا "صاحبو! آج تم مین سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا کہ خدا کی قسم مین نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا، اور خیر خواہِ خلق کبھی نہین دیکھا، پس خدا سے اس کے لیے رحم و مغفرت کی دعا کرو"۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے اٹھاؤن برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ مین اپنے حیرت انگیز کارنامون کا منظر دکھا کر ۱۸ھ مین اس دنیا سے رخصت ہوگئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون،

اخلاق و عادات | حضرت ابو عبیدہؓ کے صحیفۂ اخلاق مین خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقوی، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہین،

خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لیے سرمایۂ عبرت بنجاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پُرنم ہوجاتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہین، اس نے متعجب ہوکر پوچھا "ابو عبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟" کہنے لگے "ایک روز رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کے آیندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا ابو عبیدہ! اگر اسوقت تک تمھاری عمر وفا کرے تو تمھارے لیے صرف تین خادم کافی ہونگے، ایک خاص تمھاری ذات کے لیے، ایک تمھارے اہل و عیال کیلئے اور ایک سفر مین ساتھ جانے کے لیے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہین، ایک تمھارے لیے، ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب و سامان کے لیے، لیکن اب دیکھتا ہون تو میرا گھر غلامون سے اور اصطبل گھوڑون سے بھرا ہوا ہے، آہ! مین رسول اللہ صلعم کو کیا منھ دکھاؤنگا؟ حضور اقدس صلعم نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال مین ملیگا جس حال مین مین

۱؎ اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۲،

اسے چھوڑ جاؤ نگا"۔

ہادیِ دین کی اطاعت، محبت اور خدمت گذاری مین امین امتؓ سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعۂ بدر مین باپ کو قتل کیا، رسولِ برحق کی راحت رسانی کے لیے دو دانت شہید کیے، غزوۂ ذات السلاسل مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لیے طوقِ اطاعت گلے مین ڈال لیا کہ رسول اللہ صلعم نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ مین تمھاری اطاعت نہین کرتا بلکہ فرمانِ رسول صلعم پر گردن جھکاتا ہون"۔

امینِ امت کا آخری لمحۂ حیات بھی اطاعتِ رسول مین گذرا، شام مین طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگون کے پاؤن ڈگمگا گئے، لیکن انھون نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ صلعم نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ زہد وبے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر مین دنیا اور اس کی نعمتین ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھین، شام کی آب وہوا نے بڑے بڑے صحابہؓ کے طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفرِ شام کے موقع پر افسرون کو پُر تکلف قبائین اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتین اختیار کر لین لیکن حضرت ابوعبیدہؓ جس حال مین ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری مین اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسّی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہان اس سے بھی زیادہ سادگی تھی یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابوعبیدہؓ! کاش تم ضروری ضروری سامان تو فراہم کر لیتے"

لہ مسند ج ۱ ص ۱۹۶ لہ ایضاً

اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا۔ امیر المومنین! ہمارے لیے یہی بس ہے[1]"

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انھون نے تمام رقم فوج مین تقسیم کر دی اور اپنے لیے ایک حبہ بھی نہ رکھا، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا "الحمدللہ کہ اسلام مین ایسے لوگ بھی موجود ہین[2]"

امینِ امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انھون نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ وحشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراجب کبھی اسلامی لشکرگاہ مین آئے تو انھین ہمیشہ سردارِ فوج کی شناخت مین دقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا ذرہ یہ دیکھکر متحیر رہ گیا کہ یہان سب ایک ہی رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین، بالآخر اس نے گھبراکر پوچھا تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرشِ خاک پر بیٹھا ہے،

مساوات اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکرگاہ مین ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہوسکتی ہے، ایکدفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا "ہم اس کو پناہ دیتے ہین کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے[3]"

حضرت ابو عبیدہؓ کا خلق و ترحم تمام خلق اللہ کے لیے عام تھا، شام مین ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیون کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا، وہان عیسائیون کو نماز کے

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۲، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۰۱، [3] مسند ج ۱ ص ۱۹۵،

وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہون مین صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی لیکن انھون نے عرض پیش کی کہ کم سے کم سال مین ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوعبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیون کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے،

حضرت ابوعبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہین تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبۂ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچون سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد لنبا، جسم نحیف و لاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمتِ رسولؐ مین قربان ہو گئے تھے، داڑھی گھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے،

اولاد و ازواج حضرت ابوعبیدہؓ کی صرف دو بیویون سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور درجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونون لاولد فوت ہوئے،

حضرت سعید بن زیدؓ

نام، نسب، خاندان سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی،

حضرت سعید بن زیدؓ کا سلسلۂ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت صلعم سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے ملجاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادتمند بزرگون مین تھے جنکی

انھون نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمتکدہ مین توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہان تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت صلعم سے قبل بعثت وادی بلدح[1] مین ملاقات ہوئی، آنحضرت صلعم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا پھر زید سے کہا گیا تو انھون نے بھی انکار کیا اور کہا "مین تمھارے بتون کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہین کھاتا[2]"

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوے حق مین دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچکر ایک یہودی عالم سے منزل مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب مین حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا مین اسی سے بھاگا ہون، پھر اس مین گرفتار نہین ہوسکتا، البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ" اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انھون نے پوچھا "دین حنیف کیا ہے؟" بولا دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خداے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہان سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا "اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے" زید نے کہا "خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس مین نہ خدا کا غضب ہو، نہ لعنت، مین ان دونون سے بھاگتا ہون" بولا میرے خیال مین ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے، غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونون ہاتھ اٹھاکر کہا "خدایا! تجھے گواہ بناتا ہون کہ اب مین دین حنیف کا پیرو ہون[3]"

---

[1] مکہ کی راہ مین ایک مقام کا نام تھا، فتح الباری ج ۷ صفحہ ۱۱۲ [2] بخاری باب حدیث زید ۱۲

[3] بخاری باب حدیث زید مین مفصل قصہ مذکور ہے ۱۲

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسمارؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے اے گروہِ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دینِ ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔[۱]

ایامِ جاہلیت میں اہلِ عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے "جی چاہے لے لو، یا میری ہی کفالت میں رہنے دو"[۲]

اسلام جب رسول اللہ صلعم نے دینِ حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوتِ توحید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید صفحۂ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند سعیدؓ کے لیے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انھوں نے نہایت جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے بہن اور بہنوئی کی تبدیلِ مذہب کا حال سنکر نہایت برافروختہ ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہو گئے لیکن یہاں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زد و کوب کا صرف یہی ایک جواب تھا، ؎

من ز جانان گرچہ صد اندوہ جان خواہم کشید تانہ پنداری کہ خود را برکران خواہم کشید

[۱] بخاری باب حدیث زید میں مفصل قصہ مذکور ہے [۲] ایضاً [۳] ابن سعد جزء ۳ قسم اوّل ص ۱۹۲

یہان تک کہ ان بزرگون کی اسی استقامت واستقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھایا، اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروق اعظمؓ بنا دیا،

ہجرت اور غزوات | حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذرؓ انصاری کے مہمان ہوئے کچھ دنون کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان مین اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری مین بھائی چارہ کرا دیا[1]،

سنہ ۲ھ مین قریشِ مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگِ بدر پیش آئی ملکِ شام سے آرہا تھا، رسول اللہ صلعم نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس کے تجسس پر مامور فرمایا، یہ دونون حدودِ شام مین تجبار پہنچکر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہان سے آگے بڑھا تو نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالتماب صلعم کو پوری کیفیت سے مطلع کرین لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پاکر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفارِ قریش کی ایک بڑی جمعیت جو اس کی مدد کے لیے آئی تھی اور پرستارانِ حق کے درمیان بدر کے میدان مین وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سربلند کر دیا،

غرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیانِ دین فاتحانہ سرورِ انبیاؐ کے ساتھ میدانِ جنگ سے واپس آرہے تھے چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لیے رسول اللہ صلعم نے ان کو بدر کے مالِ غنیمت مین حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت[2] دی،

حضرت سعیدؓ جنگِ بدر کے سوا تمام غزوات مین مردانگی وشجاعت کیساتھ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب رہے لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہین ملتا،

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ بدریین ترجمہ سعید بن زیدؓ، [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ سعید بن زید،

عہدِ فاروقی مین جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ مین نمایان شجاعت وجانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے، اثنائے جنگ مین حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا لیکن شوقِ جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مین ایسا ایثار نہین کرسکتا کہ آپ لوگ جہاد کرین اور مین اس سے محروم رہون اسلیے خط پہنچنے کے ساتھ کسی کو میری جگہ بھیجدیجیے مین عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہون حضرت ابو عبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدانِ رزم مین پہنچ گئے۔

وفات فتحِ شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون وخاموشی سے بسر ہوئی یہانتک کہ ۵۰ یا ۵۱ھ مین ستر برس تک اس سرائے فانی مین رہ کر رحلت گزینِ عالم جاودانی ہوئے چونکہ نواحِ مدینہ مین بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا اس لیے وہین وفات پائی، جمعہ کا دن تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی، اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہوگئے، حضرت سعد وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لاکر سپردِ خاک کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[1]

ذاتی حالات اور اخلاق وعادات حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ وحشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر مین حضرت عثمانؓ نے عراق مین بھی ایک جاگیر دی تھی امیر معاویہ کے عہد مین اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار مین شکایت کی کہ انھون نے اسکی کچھ زمین

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زید،

دبائی ہے، مروان رض نے تحقیقات کے لیے دو آدمی متعین کئے حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انھون نے کہا کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے" پھر مروان سے کہا "کیا تم خیال کرتے ہو کہ مین نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم و زبردستی سے لیگا تو ویسی ویسی سات زمینین قیامت مین اس کے گلے کا ہار ہونگی" مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین سے باز آگئے اور اس عورت کے حق مین بد دعا کے طور پر فرمایا "اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنوان خود اس کے لیے قبر بنے" خدا کی قدرت بد دعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنوئین مین گر کر راہی عدم ہوئی چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لیے ضرب المثل ہو گیا اور وہ عموماً یہ بد دعا دینے لگے، اعماك الله كما اعمى اروى[1]"

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے بیسیون خانہ جنگیان پیش آئین اور گو وہ اپنے زہد و اتقا کے باعث ان جھگڑون سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے مین تامل نہین کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد مین فرمایا کرتے تھے "تم لوگون نے عثمان کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہین[2]"

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز وہ جامع مسجد مین عوام کے ایک حلقہ مین بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انھون نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا اسی اثنا مین ایک دوسرا

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۵۴ [2] بخاری باب بنیان الکعبہ باب اسلام سعید بن زیدؓ،

آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان مین نا ملائم کلمات استعمال کرنے لگا۔ حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے "مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ صلعم کے جان نثارون کو گالیان دیتے ہین اور تم منع نہین کرتے" اُس کے بعد اصحاب عشرہؓ مین سے آٹھ آدمیون کا نام لیکر فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اگر چاہو تو مین نوین آدمی کا نام بھی لے سکتا ہون، لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا نوان مین ہون[1]،

حضرت سعیدؓ کے حالات بہت کم معلوم ہین تاہم وہ بالاتفاق ان صحابۂ کرامؓ مین تھے جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ ہین، وہ لڑائیون مین آنحضرت صلعم کے آگے رہتے تھے اور نماز مین پیچھے[2]

حلیہ یہ تھا قد لانبا بال بڑے بڑے اور گھنے،

اہل و عیال | حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کی تھین بیویون کے نام یہ ہین فاطمہ (ام جمیل) جلیسہ بنت سوید، امامہ بنت الدجیج، حزمہ بنت قیس، امّ الاسود، ضنج بنت الاصبغ بنت قربہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود الضاری،

ان بیویون نیز لونڈیون کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان مین سے اکثر لاولد ہوئی جن لڑکون اور لڑکیون کے نام معلوم ہوسکے وہ علٰحدہ علٰحدہ درج ذیل ہین[3]

لڑکے | عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر،

لڑکیان | عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمٰی، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالحولا، ام صالح،

[1] مسند ج ا ص ۱۸۷ ، [2] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ،

[3] ازواج و اولاد کی تمام تفصیل طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث سے ماخوذ ہے ۱۲ ،

سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب

نام ونسب حمزہ نام، ابو یعلی اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت صلعم کے حقیقی چچا تھے ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات صلعم کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی،

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا جن مین حضور انور صلعم سے دو برس بڑے تھے، شمشیرزنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر وشکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ مین بسر ہوا،

اسلام دعوت توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیون مین گونج رہی تھی تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتون سے کیا تعلق؟ انھین صحرانوردی اور سیر وشکار سے کب فرصت تھی جو شرک وتوحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا" ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانۂ کعبہ مین اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیان دین اور بہت بری طرح ستایا لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بےبسی کے ساتھ لوٹ گئے" یہ سننا تھا کہ رگ حمیت مین جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ

تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ مین مل جاتا تو کھڑے ہوکر ضرور اس سے دو دو باتین کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغلوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانۂ کعبہ پہنچکر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہوگیا، یہ دیکھکر بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے "حمزہ! شاید تم بھی بددین ہوگئے"، فرمایا "جب مجھ پر اسکی حقانیت ظاہر ہوگئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہان! مین گواہی دیتا ہون کہ محمد خدا کے رسول ہین اور جو کچھ وہ کہتے ہین سب حق ہے، خدا کی قسم اب مین اس سے پھر نہین سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو" ابوجہل نے کہا ابوعمارہ کو چھوڑدو واخدا کی قسم مین نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیان دی ہین،[1]

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتوان ہستیون پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیون اور ایذا رسانیون کا سد باب ہوگیا، کیونکہ ان کی شجاعت وجانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا،[2]

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لیے صحابۂ کرامؓ کو تردد ہوا، لیکن اس شیرِ خدا نے کہا "کچھ مضائقہ نہین آنے دو اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا" غرض وہ اندر داخل ہوئے تو کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے،[3]

مواخات | مکہ کی مواخات مین حضرت خیر الانام صلعم کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ رضؓ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۳ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہؓ [3] طبقات ابن سعد جزء ۳ قسم اول ص ۱۹۲،

حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لیجاتے تو انہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے[1]

ہجرت | بعثت کے تیرھوین سال تمام صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے جہان ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا انہین کو عنایت ہوا، اور تیس آدمیون کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کئے گئے کہ قریشی قافلون کے سدِ راہ ہون، غرض وہان پہنچکر ابوجہل کے قافلہ سے جسمین تین سو سوار تھے مٹ بھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت و خون واپس آئے[2]،

غزوات | اسی سال ماہ صفر مین خود حضرت سرورِ کائنات صلعم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قریشِ مکہ کی نقل و حرکت مین سدِ راہ ہونے کے لیے ابوا پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ مین تھی لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لیے جنگ و جدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنو حمزہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا[3]،

اسی طرح ؁ مین غزوۂ عشیرہ پیش آیا، اس مین بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستارِ فضل و کمال پر آویزان تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنو مدلج سے امداد باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا[4]،

غزوۂ بدر | اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیانِ دین مین سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کیلئے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱ [3] ایضاً ص ۳ [4] ایضاً ص ۴،

آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا، "محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو" ارشاد ہوا "حمزہ! علی، عبیدہ! اٹھو اور آگے بڑھو" حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جاکھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ مین عتبہ کو داصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور ولید مین دیر تک کشمکش جاری رہی وہ زخمی ہو گئے تو ان دونون نے ایک ساتھ حملہ کرکے اس کو تہ تیغ کر دیا، یہ دیکھکر طعیمہ بن عدی جوش انتقام مین آگے بڑھا لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار مین اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش مین آکر عام حملہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاورون کو نرغہ مین دیکھکر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی، اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونون ہاتھ مین تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملون سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر مین غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیون نے پوچھا "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگون نے کہا "حمزہؓ" بولا "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا[1]"

غزوۂ بنی قینقاع بنو قینقاع نام اطراف مدینہ مین یہودیون کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کے حلیف تھے، اس لیے رسول اللہ صلعم سے دوستانہ معاہدہ طے پاگیا تھا لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلون مین رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال مین ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلاوطن کر دیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ مین

---

[1] ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۲۶۳ [2] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،

بھی علمبرداری کے منصب پر مامور ہوئے تھے[1]

غزوۂ احد بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لیے تازیانہ کا کام کیا اور جوشِ انتقام سے برانگیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرورِ کائنات صلعم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکلکر کوہِ احد کے دامن میں اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھکر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خارا شگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا "اے سباع! اے ام انمار مقطعۂ بظر کے بیٹے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے!" یہ کہکر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا[2]، اس کے بعد گھسان جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھسکر کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیس کافروں کو واصل جہنم کر دیا،[3]

شہادت حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چنکر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگِ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے[4] اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابو سفیان

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی صفحہ ۱۹ [2] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ [4] بخاری باب قتل حمزہؓ

کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات صلعم نے سنا تو پوچھا "کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے" لوگوں نے عرض کی "نہیں" فرمایا "خدا حمزہ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دیگا"[1]

تجہیز و تکفین اختتامِ جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی حضرت سرورِ کائنات صلعم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک، کان کاٹ کر کے نہایت دردناک صورت بنا دی تھی اسلئے یہ منظر دیکھکر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہے کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند و پرند کھا جائیں اور تم قیامت میں انھیں کے شکم سے اٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے میں تمہارے عوض ستر کافروں کو مثلہ کروں گا" لیکن تھوڑے ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی[2]

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتی ہوئے جنازہ کے پاس آئیں لیکن آنحضرت صلعم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دیکر واپس فرما دیا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لیے انھوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت صلعم نے

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث صہ، [2] ایضاً صہ،

فرمایا کہ چادر سے چہرا چھپا دو اور پاؤن پر گھانس اور پتے ڈالدو، غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرورِ کائنات صلعم نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کرکے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو مین رکھے گئے اور آپ نے علحدہ علحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی اس طرح تقریبًا ستر نمازون کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ والم اس شیرِ خدا کو اسی میدان مین سپردِ خاک کیا[۱]، انا للہ وانا الیہ راجعون،

| آنحضرت صلعم کا حزن و ملال | سرورِ کائنات صلعم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے

اور بنی عبد الاشہل کی عورتون کو اپنے اپنے اعزہ و اقارب پر روتے سنا تو فرمایا" افسوس! حمزہ کے لیے رونے والیان بھی نہین" انصار نے یہ سنکر اپنی عورتون کو آستانۂ نبوت پر بھیجدیا، جنھون نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت مین آنحضرت صلعم کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہین، فرمایا "کیا خوب! یہ سب اب تک یہان بیٹھی رو رہی ہین، انھین حکم دو کہ واپس جائین اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئین"[۲]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتون کا یہی دستور ہوگیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھین تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھین،

| قاتل سے بیزاری | حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ اسلام قبول کر کے بارگاہِ نبوت مین

حاضر ہوئے تو آنحضرت صلعم نے دیکھکر پوچھا "کیا تم ہی وحشی ہو؟" عرض کی "ہان" فرمایا "تمنے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟" بولے "حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے" ارشاد ہوا "کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟" غرض اسی وقت باہر آنا پڑا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے، آنحضرت صلعم کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس مین شریک ہوئے کہ شاید مین اس کو قتل

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۹ [۲] ایضًا صفحہ ۱۰

کرکے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کرسکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے،[1] اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا،

اخلاق

حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت، جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ انصار کے ایک میخانہ میں صحبتِ احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا اسی حالت میں اس نے دو اونٹوں کی طرف اشارہ کرکے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا،

الا یا حمزۃ للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کود پڑے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے انھوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربارِ نبوت میں شکایت پیش کی، آنحضرت صلعم ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیے ہوئے اسی وقت اس محفلِ طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے لیکن یہاں ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا انھوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت صلعم کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کرکے بولے "تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو" آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں لوٹ آئے۔[2]

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں

---

[1] بخاری باب قتل حمزہؓ [2] بخاری کتاب فرض الخمس،

ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی،

رحمۃ اللہ علیک فانک کنت ما علمت — تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابتداروں کا

وصولا للرحم فعولا للخیرات[1]، — سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے

ازواج و اولاد حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت الملہ، خولہ بنت قیس، سلمٰی بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابو یعلی، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئے ابو یعلی سے چند اولاد ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا[2]

سلمٰی بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلعم نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہکر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے اس کو اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس، امامہ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلعم کو امامہ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا، اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا[3]

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب

نام، نسب عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبد المطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۶ [2] ایضاً ص ۳ [3] ایضاً،

شجرۂ نسب یہ ہے :-

عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف الہاشمی القرشی،

آنحضرت صلعم کے چچا تھے، لیکن عمر مین کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے[1]

ابتدائی حالات

حضرت عباسؓ عہدِ طفولیت مین ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کے والدہ نے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کیگئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھین، جنھون نے ایامِ جاہلیت مین خانۂ کعبہ کو دیبا وحریر سے مزین کیا[2]

زمانۂ جاہلیت مین وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانۂ کعبہ کا اہتمام وانصرام اور لوگون کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبد المطلب سے وراثت مین ملا تھا[3]

آنحضرت صلعم کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ مین علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہین بڑھایا تاہم وہ دل سے اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلعم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانۂ حج مین بہتر انصار نے کفار سے چھپکر منیٰ کی ایک گھاٹی مین آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس راز داری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انھون نے انصار سے خطاب کرکے کہا، گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان مین معزز ومحترم رہے ہین اور دشمنون کے مقابلہ مین ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہین اگر مرتے

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۰۹ [3] ایضاً،

دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دیدو" انصار رضی نے اس کے جواب مین جان نثاری و فاشعاری کی ہامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آنحضرت صلعم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے،

جنگ بدر | مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکۂ بدر مین شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ صلعم حقیقتِ حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابۂ کرام کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ مین ابو البختری، عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائین تو قتل نہ کئے جائین کیونکہ وہ زبردستی میدان مین لائے گئے ہین، حضرت ابو حذیفہ بول اٹھے کہ "ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگذر نہین کرتے تو بنو ہاشم مین کیا خصوصیت ہے؟ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئین گے تو مین ان کو تلوار کی لگام دونگا" آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا" ابو حفص! دیکھتے ہو، عمِ رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟" حضرت عمرؓ نے کہا اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑا دون" لیکن حضرت ابو حذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا[1]،

اس جنگ مین دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیل اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکین اس قدر کس کر باندھی گئی تھین کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہان تک کہ آنحضرت صلعم ان کی کراہ سنکر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابۂ کرام کو معلوم ہوا تو انھون نے ان کی مشکین ڈھیلی کر دین[2]،

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلعم نے سب کو کپڑے دلوائے، لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہین اترتا تھا

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول صفحہ ۲۴۲ [2] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص۵ [3] ایضاً ص۷،

عبداللہ بن ابی نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا،[1] آنحضرت صلعم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لیے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا،

دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج) سے تھین، اس لیے انھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہین ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہین لیکن آنحضرت صلعم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہین فرمایا اور دولتمند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی،[2] حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا مین دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا مشرکین نے مجھکو بجبر اس جنگ مین شریک کیا" ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دیگا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہین ہوسکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہین کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ مین ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہین، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہین جانتا تھا، بیشک آپ رسول خدا ہین اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی۔[3]

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت | حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ مین مقیم رہنا اور علانیہ دائرۂ اسلام مین داخل نہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے سربستہ سے رسول اللہ صلعم کو اطلاع دیتے تھے نیز اس سرزمین کفر مین جو ضعفائے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو رابع ص ۵ [2] بخاری ج ۲ ص ۵۷۲ [3] مسند ج ۱ ص ۳۵۳،

اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا امن و ملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ صلعم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ آپ کا مکہ مین مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔[1]

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکینِ قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت صلعم سے اجازت لیکر مکہ آئے، اس زمانہ مین جنگِ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگون نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھکر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے "خیبر کی جنگ مین مسلمانون کو نہایت عبرتناک شکست ملی، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے، مین اپنا مال لینے آیا ہون کہ دوسرے تاجرون کو خبر ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خریدلون"

اس خبر سے یکایک تمام مکہ مین خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادیِ بطحا کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہوگیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاط سے تخلیہ مین ملے اور پوچھا "حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟" بولے "نہین! خدا کی قسم آپ کے لیے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کیے گئے، ان کا تمام مال و اسباب مجاہدینِ اسلام کے ہاتھ آیا اور مین نے رسول اللہ صلعم کو اس حال مین چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخلِ حرم ہو رہی تھی، مین اسلام قبول کرچکا ہون، اور یہان صرف اس لیے

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۱۰۔

ہون کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلعم سے جاملون، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھین، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے"

حضرت عباسؓ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اسکو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھوکر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ مین عصا لیے ہوئے خانۂ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگون نے چھیڑکر کہا" خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے" بولے" قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہین! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہوگیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے تصرف مین ہے" لوگون نے تعجب سے پوچھا" یہ خبر کہان سے آئی؟" فرمایا" حجاج بن علاط نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہین اور یہان محض اپنا مال لینے آئے تھے" اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک مین ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے[1]

اسلام وہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کرکے مستقل طور سے مدینہ مین سکونت پذیر ہوئے،

غزوات مکہ کی فوج کشی مین شریک تھے، حنین کی جنگ مین حضرت خیر الانامؐ کے ہمرکاب تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہین کہ اثنائے جنگ مین جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانون کے منھ پھر گئے، تو ارشاد ہوا" عباس! نیزہ بردارون کو آواز دو" فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، مین نے" این اصحاب السمرۃ؟"

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حجاج بن علاط،

کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکایک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بنگیا[1] محاصرۂ طائف غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع مین بھی شریک تھے،

آنحضرت صلعم کی وفات

حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت صلعم بیمار ہوئے مرض روز بروز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگون نے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ حالت بظاہر سنبھل گئی تھی اس لئے انھون نے کہا کہ "خدا کے فضل سے اب آپ اچھے ہین" لیکن حضرت عباسؓ خاندان ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انھون نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، تمھارا کہان خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کروگے، مین آنکھون سے دیکھ رہا ہون کہ رسول اللہ صلعم عنقریب اس مرض مین وفات پائین گے، کیونکہ مین خاندان عبد المطلب کے چہرون سے موت کا اندازہ کرسکتا ہون، آؤ چلو رسول اللہ صلعم سے پوچھ لین کہ آپ کے بعد منصب خلافت کسکو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہین تو یہ معلوم ہوجائیگا، ورنہ عرض کرینگے کہ ہمارے لیے وصیت فرما جائین، حضرت علیؓ نے کہا "خدا کی قسم مین نہ پوچھون گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کردیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہوجاؤن گا"[2] حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی،

غرض آنحضرت صلعم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت صلعم کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم مین سب سے معمر تھے اس لئے، تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ انہین کے پاس آئے[3]

---

[1] مسند ج ۱ صفحہ ۲۰۷، [2] بخاری ج ۲ صفحہ ۹۲۷، [3] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب،

بارگاہِ نبوت مین اعزاز آنحضرت صلعم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اوران کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی ایک مرتبہ انھون نے بارگاہِ نبوت مین شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہین تو ان کے چہرون پر تازگی و شگفتگی برستی ہے لیکن جب ہم سے ملتے ہین تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایان ہوتے ہین، آنحضرت صلعم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا، "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگون سے محبت نہ کریگا اس کے دل مین نورِ ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قائم مقام ہے"[۱]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن خطاب مدینہ کے محصل مقرر ہوئے انھون نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انھون نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا اور آنحضرت صلعم سے جاکر صورتِ واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا تم عباس سے کیا چاہتے ہو، بدر کے فدیہ مین تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباس رسولِ خدا کا چچا ہے، اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے[۲]

خلفاے راشدینؓ آنحضرت صلعم کے بعد خلفاے راشدینؓ نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہوکر ادھر کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اوتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ صلعم کے عم محترم ہین"[۳]

حضرت عمرؓ اکثر انکو اپنے مشورون مین شریک کرتے تھے، اور قحط و خشک سالی کے موقعون پر ان سے دعائین کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہوکر کہا خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلعم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت صلعم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہین ان کے طفیل مین ہم کو سیراب کر، ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھکر

---

۱ جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ و مسند ج ۱ ص ۲۰۷ ۲ جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ ۳ استیعاب تذکرہ عباسؓ
۴ بخاری ج ۱ ص ۵۲۶،

دعا کے لیے ہاتھ اوٹھایا تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر لکہ ہاے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر مین باران رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہی:

سال الامام وقد تتابع جدبنا	فسقی الغمام بغرۃ العباس
امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی	لیکن عباس کی شرافت کے طفیل مین ابر نے سیراب کردیا
عم النبی وصنو والدہ الذی	ورث النبی بذاک دون الناس
وہ آنحضرت صلعم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہین	انھون نے تمام لوگون کے مقابلہ مین رسول اللہ صلعم کی وراثت پائی
احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت	مخضرۃ الاجناب بعد الیاس
ان کے طفیل مین خدا نے ملک کو زندہ کر دیا	اور ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی اس لیے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤن چوم چوم کر کہتے تھے "ساقی حرمین! مبارک ہو، ساقی حرمین! مبارک ہو"[1]

وفات: حضرت عباسؓ اٹھاسی برس کی عمر پاکر ۳۲ھ مین ماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رہگزین عالم جاودان ہوئے، خلیفہ ثالثؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبر مین اوتر کر سپرد خاک کیا[2]

اخلاق: حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مقام بقیع مین آنحضرت صلعم نے حضرت عباسؓ کو آتے ہوئے دیکھکر فرمایا "یہ عباسؓ عم رسول ہین، یہ قریش مین سب سے زیادہ کشادہ دست ہین اور اپنے رشتہ دارون کا خیال رکھتے ہین"[3]

---

[1] استیعاب تذکرہ عباسؓ بن عبدالمطلب [2] ایضاً [3] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۱۰

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھون سے سیلِ اشک روان ہو جاتا[1] یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤن مین خاص اثر ہوتا تھا،

تمول و ذریعۂ معاش | حضرت عباسؓ ایامِ جاہلیت مین نہایت متمول تھے چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلعم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیون کے مقابلہ مین بہت زیادہ تھا،[1]

تجارت ذریعۂ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگون کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتحِ مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلعم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس مین فرمایا، "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو مین بند کرتا ہون وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہے"[2]

آنحضرت صلعم مالِ غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد انھون نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفۂ اول سے فدک اور آنحضرت صلعم کی دوسری متروکہ جائداد مین وراثت کا مطالبہ کیا لیکن "لا نورث ما ترکنا صدقۃ" کی حدیث سنکر خاموش ہو گئے،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین باغِ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونون باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہِ خلافت مین تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لیے دیا گیا ہے، اس مین وراثت کا قاعدہ جاری نہین ہو سکتا[3]

---

[1] مسند ج ا ص ۳۵۳ [2] صحیح مسلم و ابوداؤد، [3] بخاری باب غزوۂ خیبر

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک،

ازواج و اولاد | حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جنسے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں، فضل، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، قثم، معبد، ام حبیبہ، ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ، تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے[۳]

حضرت بلالؓ بن رباح

نام، نسب | بلال نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے[۱]

اسلام | حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا جبکہ وادی بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعیٔ حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جنمیں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا[۲] سچ ہے،

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت | کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموسِ جفا کے شکار ہوئے، گوناگون مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمایش ہوئی، تپتی ہوئی

---

[۱] طبقات ابن سعد جزء ۳ قسم اول صفحہ ۱۶۵ [۲] اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۲۰۶ [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۶۶،

ریگ، جلتے ہوئے سنگریزون اور دہکتے انگارون پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکون نے گلوئے مبارک مین رسیان ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمایشون کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منھ کے بھل سنگریزون پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا "بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ" لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی "احد" "احد" نکلتا[1]،

ستم پیشہ مشرکین مین امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا اوسکی جدت طرازیون نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتین پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال مین لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ مین بٹھاتا اور کہتا "تمھارا خدا لات اور عزیٰ ہے" لیکن اس وارفتۂ توحید کی زبان سے "احد" "احد" کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہین کر سکتی[2]

آزادی | حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادی بطحا مین مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرتناک منظر دیکھکر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت صلعم نے سنا تو فرمایا "ابوبکر! تم مجھے بھی اس مین شریک کر لو" عرض کی "یا رسول اللہ! مین آزاد کرا چکا ہون"[3]

ہجرت | وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمن خثعمی سے مواخات ہوئی، ان دونون مین نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی، عہد فاروق مین حضرت بلالؓ نے شامی مہم مین شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت

[1] اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۲۰۶، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۶۵، [3] اصابہ و بخاری،

عمرؓ نے پوچھا "بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟" عرض کی "ابو رویحہ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔"[۱]

موذنی مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعارِ اسلام و دینِ متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔[۲]

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بیچین کر دیتی تھی، مرد اپنا کار و بار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کو چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کیساتھ آستانۂ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ، یعنی یا رسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی۔[۳]

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمروؓ بن ام مکتوم دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ "صبح ہو گئی" "صبح ہو گئی"، تو اٹھ کر نداے تکبیر بلند فرماتے تھے، اسی بنا پر رمضان میں بھی

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ صفحہ ۱۶۹ [۲] بخاری باب بدء الاذان [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ۱۶۷

حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل وشرب جائز تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی مین مصروف رہے ہین وہ اب کچھ دیر آرام کرین اور جو تمام رات خواب راحت مین سرشار رہے ہین وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کرین، لیکن وہ صبح کا وقت نہین ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے[۱]

حضرت بلالؓ سفر وحضر ہر موقع پر رسول اللہ صلعم کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر درپیش تھا، ایک جگہ رات ہو گئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا" ارشاد ہوا "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی" حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انھون نے بڑھکر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دینگے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاقِ وقت اس حالت مین بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہشیار نہ ہوئے، آنحضرت صلعم نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلال! تمھاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی "یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا تھا" ارشاد ہوا "بیشک خدا جب چاہتا ہے تمھاری روحون پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تمہین واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو اذان دو اور لوگون کو نماز کے لیے جمع کرو"[۲]

غزوات | حضرت بلالؓ تمام مشہور غزوات مین شریک تھے، غزوۂ بدر مین انھون نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا، جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی مین بھی اس کا ہاتھ

[۱] بخاری، باب الاذان بعد الفجر وباب اذان الاعمیٰ [۲] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت،

سب سے پیش پیش تھا۔[1]

فتح مکہ مین بھی آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے، آپ خانۂ کعبہ مین داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا،[2] انھین حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کرین، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جسکو ابو الانبیاء ابراہیم نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا، مدتون صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونج اٹھا۔[3]

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنی دلی خواہش حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض کی "یا خلیفۂ رسول اللہ! آپ نے خدا کے لیے آزاد کیا ہے، یا اپنی مصاحبت کے لیے" فرمایا "خدا کے لیے" بولے "مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ راہِ خدا مین جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے اس لیے مین چاہتا ہون کہ پیامِ موت تک اسی عملِ خیر کو لازمۂ حیات بنالون" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "بلال! مین تمھین خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہون کہ تم مجھے اس عالمِ پیری مین داغِ مفارقت نہ دو" اس مؤثر فرمان نے حضرت بلالؓ کو عہدِ صدیقی کے غزوات مین شریک ہونے سے باز رکھا۔[4]

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو انھون نے پھر شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفۂ اول کی طرح خلیفۂ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوشِ جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بعد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم مین شریک ہو گئے۔[5] حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ مین شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۷ [2] بخاری کتاب المغازی باب دخول النبی صلعم من اعلیٰ مکہ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۶ [4] بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۸ [5] ایضاً،

ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ مین ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت مین ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے ان سے اذان دینے کی فرمایش کی تو بولے "گو مین عہد کرچکا ہون کہ حضرت خیرالانام صلعم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دونگا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کرونگا" یہ کہکر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن مین خدا ے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہوگیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی[۱]،

شام مین توطن حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی، انھون نے خلیفۂ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہؓ کو یہان مستقل سکونت کی اجازت دیجائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونون نے قصبۂ خولان مین مستقل اقامت اختیار کرلی اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہان آکر آباد ہوگیا تھا رشتۂ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا "ہم دونون کافر تھے خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمھارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہین، اگر تم رشتۂ ازدواج سے یہ آرزو پوری کروگے تو خدا کا شکر ہے ورنہ کوئی شکایت نہین" اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹادی تھی، انصار نے نہایت خوشی کیساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیون سے شادی کردی[۲]،

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام مین متوطن رہنے کے بعد ایک رسول اللہ

[۱] تاریخ طبری واسدالغابہ ج ۱ ص ۲۰۸، [۲] اسدالغابہ ج ۱ ص ۲۰۸،

صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلالؓ یہ خشک زندگی کب تک ؟ کیا تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟" اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلائے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد وہ اذان نہ دینگے تاہم ان کی فرمایش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنادیا لیکن جب اشهد ان محمدا رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بے قرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہو گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا[1]،

وفات سنہ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیرباد کہا، کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے[2]۔

اخلاق محاسنِ اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایۂ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ سیدنا و اعتق سیدنا یعنی ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انھوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے[3]،

حبیب خدا صلعم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہِ نبوی

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۲۰۸ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۹ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۸۵،

مین حاضر رہتے، آپ کہین باہر تشریف یجاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے، عیدین واستسقاء کے مواقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے[1]، وعظ وپند کی مجلسون مین ساتھ جاتے، افلاس وناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلعم کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجورین (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہین) آنحضرت صلعم کی خدمت مین لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا "بلال! یہ کہان سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجورین تھین وہ نہایت خراب قسم کی تھین، چونکہ مجھے حضور کی خدمت مین پیش کرنا تھا اسلیے مین نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجورین حاصل کین، ارشاد ہوا "اُف! اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمھین خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجورون کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے"[2]

حضرت بلالؓ مکہ کی زندگی مین جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت واستقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع وخاکساری اُن کی فطرت مین داخل تھی، لوگ ان کے سامنے ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "مین صرف ایک حبشی ہون جو کل تک معمولی غلام تھا"[3] صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والون نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کرین گے تو ہم کو بخوشی منظور ہے، حضرت بلالؓ نے کہا "صاحبو! مین بلال بن رباح ہون اور یہ میرا بھائی ہے، مین جانتا ہون کہ اخلاق ومذہب کے لحاظ سے یہ برا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص۱۶۸ [2] بخاری ج ۱ ص۳۱۱ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص۱۶۹،

انکار کرو" انھون نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں[۱]"

مذہبی زندگی حضرت بلالؓ رسول اللہ صلعم کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانۂ خدا مین حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عملِ خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی اُمید ہے، عرض کی "مین نے ایسا کوئی کام نہین کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے[۲]" نماز مین عموماً سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو[۳]

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے ؟ بولے "خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد پھر حج مبرور[۴]"

حلیہ حلیہ یہ تھا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گون بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال نہایت گھنے، رخسار اور اکثر سفید تھے[۵]

ازواج حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کین، ان کی بعض بیویان عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانون سے تعلق رکھتی تھین، ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلعم نے نکاح کرا دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان مین بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہین ہوئی[۶]

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ [۲] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۲۴ [۳] اصابہ تذکرۂ بلال بحوالہ بخاری،

[۴] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۲۴، [۵] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۷۰،

[۶] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۶۹

حضرت جعفر طیارؓ

نام ونسب: جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی،

آنحضرت صلعم کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے،

اسلام: آنحضرت صلعم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھکر کہا "جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ" حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلعم کے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس یا بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے[1]

ہجرت حبش: مشرکین قریش کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گرانقدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۶ وابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۲۳،

کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمرو سے حکومت مین چلے آئے ہین، انھون نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا ہم کو ان کے بزرگون اور رشتہ دارون نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگون کو ہمارے ساتھ واپس کر دین"، درباریون نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانون سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے؟ جس کے لیے تم لوگون نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟"

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش مین اسلام پر تقریر

مسلمانون نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انھون نے اس طرح تقریر کی "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، رشتہ دارون اور پڑوسیون کو ستاتے تھے، طاقتور کمزورون کو کھا جاتا تھا، غرض ہم اسی بدبختی مین تھے کہ خدا نے خود ہماری جماعت مین سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہم اسکی شرافت، راستی دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری ہمسایہ اور رشتہ دارون سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولین، بے وجہ دنیا مین خونریزی نہ کرین بدکاری اور فریب سے باز آئین یتیم کا مال نہ کھائین، شریف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین بت پرستی چھوڑ دین، ایک خدا پر ایمان لائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اس پر ایمان لائے اور اسکی تعلیم پر چلے، ہمنے بتون کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کامون مین مبتلا کرنا چاہا،

یہان تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ کی حکومت مین چلے آئے"

نجاشی نے کہا "تمھارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہو اسکو کہین سے پڑھکر سناؤ" حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتین تلاوت کین تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی" اس نے کہا "خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہین" اور قریش کے سفیرون سے مخاطب ہو کر کہا "واللہ! مین ان کو کبھی واپس جانے نہ دونگا"

سفراے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار مین باریاب ہو کر عرض کی "حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہین کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان لوگون کا کیا خیال ہے" نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانون کو بلایا، ان لوگون کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دین، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہین کرین گے، غرض دربار مین پہنچے تو نجاشی نے پوچھا، حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تمھارا کیا اعتقاد ہے؟" حضرت جعفرؓ نے کہا "ہم ان کو خدا کا بندہ، پیمبر اور اس کی روح مانتے ہین" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا "واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اُس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہین ہین" یہ سنکر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے نہایت برہم ہوئے نتھنون سے خرخراہٹ کی آوازین آنے لگین لیکن نجاشی نے کچھ پروا نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی[1]

حبش سے مدینہ | حضرت جعفرؓ آنحضرت صلعم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی مین رہے سنہ ۷ھ مین وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا، اور مسلمان اسکی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانون کے اپنے ان دور افتادہ بھائیون کی واپسی کی دوہری خوشی ہوئی؛

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۰۳،

حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت صلعم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا، مین نہین جانتا کہ مجھکو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے؟"[1]

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا، کہ انکے امتحان کا وقت آگیا،

غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ مین موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت صلعم نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کرکے فرمایا کہ "اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ اور اگر جعفر بھی شہید ہون تو عبداللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہونگے"[2] چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرف امارت انہین کو حاصل ہوگا، اس لیے انھون نے کھڑے ہوکر عرض کی "یارسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے" ارشاد ہوا "اسکو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتری کس مین ہے"[3] آنحضرت صلعم اس غزوہ کے انجام ونتیجہ سے آگاہ تھے اس لیے فرمایا کہ اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ علم سنبھالین، اگر وہ بھی شہید ہون تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لین[4]،

شہادت موتہ پہنچکر معرکۂ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ مین غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل تھا، امیر فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم سنبھال کر غنیم کی صفین چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنون کا ہر طرف سے نرغہ تھا تیغ وتبر، تیر وسنان کی بارش ہورہی تھی یہان تک کہ تمام بدن زخمون سے چھلنی ہوگیا، دونون ہاتھ بھی یکے بادیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت مین بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگون ہونے نہ دیا[5]، بالآخر جب شہید ہوکر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۲۳، مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر مین ہے [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ [3] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۲ ص ۳۲ [4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ [5] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۸،

حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچا لائے،[۱]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا،[۲] لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا،[۳]

رسول اللہ صلعم کا حزن و ملال میدانِ جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت صلعم کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے،[۴]

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی، کہ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور فرمایا "جعفرؓ کے بچوں کو لاؤ!" میں نے ان کو حاضر خدمت کیا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر انکا پیار فرمایا، میں نے کہا "میرے ماں، باپ فدا ہوں حضورؐ آبدیدہ کیوں ہیں؟ کیا جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟" فرمایا "ہاں! وہ شہید ہو گئے" یہ سنکر میں چیخنے چلانے لگی، محلے کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں، آنحضرت صلعم واپس تشریف لے گئے اور ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ آل جعفرؓ کا خیال رکھنا آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں[۵]

سیدۃ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سنکر بادیدۂ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت صلعم

۱؎ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ۲؎ بخاری باب غزوۂ موتہ ۳؎ ایضاً،

۴؎ اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۹ ۵؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹،

نے فرمایا "بیشک جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیئے، آپ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہان تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ "خدا نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤن کے بدلہ مین دو نئے بازو عنایت کئے ہین جنسے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہین[۱]" چنانچہ ذوالجناحین اور طیار ان کا لقب ہوگیا،

فضائل ومحاسن | حضرت جعفر کشادہ دست وفیاض تھے، غربا ومساکین کو کھانا کھلانے مین ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلعم ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ مین اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکرون سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگون سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھکو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے، لیکن مین نے جعفرؓ کو مسکینون کے حق مین سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگون (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لیجاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھدیتے تھے، یہان تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھدیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے[۲]

حضرت جعفرؓ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت صلعم ان سے فرمایا کرتے تھے کہ "جعفر! تم میری صورت اور سیرت دونون مین مجھ سے مشابہ ہو[۳]" آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہین ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ[۱۴] ہے، ان مین سے ایک جعفر بھی ہین[۴]" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ "رسول اللہ صلعم کے بعد جعفر سب سے افضل ہین[۵]" حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین[۶]"

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹ [۲] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر [۳] ایضاً [۴] جامع ترمذی مناقب اہل بیت [۵] جامع ترمذی مناقب حضرت جعفر [۶] صحیح بخاری غزوۂ موتہ،

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہین کہ بعض اوقات مین حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے،

ازواج واولاد بیویون کی صحیح تعداد نہین معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے، عبداللہ، محمد اور عوف، ان مین صرف عبداللہ سے نسل چلی،

حضرت زید بن حارثہؓ

نام ونسب زید نام، ابو اسامہ کنیت، حِبّ رسول اللہ (صلعم) لقب، والد کا نام حارثہ اور اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن امرء القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ،

ابتدائی حالات گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھین جو قبیلۂ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لیکر اپنے میکہ گئین، اسی اثناء مین بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار مین فروخت کے لیے پیش کیا، ستارۂ اقبال بلند تھا، غلامی مین بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم مین خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت مین پیش کیا، جنکی وساطت سے سرور دو عالم صلعم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزارون

آزادیان اور تمام دنیا کی شاہنشاہیان قربان ہین[1]،

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شراحیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہوجانے کا شدید غم ہوا، آنکھون نے سیلِ اشک بہائے، دل آتشِ فراق سے بھڑک اوٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا،

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل　　　احیٌّ فیرجی ام اتی دونہ الاجل

مین نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا ہوگیا، آیا زندہ ہے جسکی امید رکھی جائے یا اُسے موت آگئی

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا　　　اغالک سھل الارض ام غالک الجبل

خدا کی قسم مین نہین جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہون کہ "کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟"

فیالیت شعری ھل لک الدھر رجعۃ　　　فحسبی من الدنیا رجوعک لی بجل

کاش مین اجانتا کہ آیا تیرا واپس آنا کبھی ممکن ہے؟ بس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا مین کافی ہے،

تذکرنیہ الشمس عند طلوعھا　　　وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اسکی یاد کو پھر تازہ کردیتا ہے

وان ھبت الارواح ھیجن ذکرہ　　　فیا طول ما حزنی علیہ ویا وجل

بادبہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کردیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے!

ساعمل نص العیس فی الارض جاھدا　　　ولا اسأم التطواف او تسأم الابل

عنقریب مین اونٹ کی طرح چلکر تمام دنیا چھان مارونگا، مین اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہین تھکونگا البتہ اونٹ تھک جائے

حیاتی او تاتی علی منیتی　　　وکل امرئ فان وان غرہ الامل

یا مجھ پر موت آجائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص۳۰،

واوصی بہ قیسا و عمرا کلیھما　　　واوصی یزید اثم من بعدھم جبل

مین قیس اور عمر دونون کو اس کے جستجو کی وصیّت کرتا ہون، اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہون،

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہین جو حضرت زیدؓ کے بڑے بھائی تھے، اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے،

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھون نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کو ماجرائے غم کہہ سنایا بولے، یقیناً انھون نے میری فرقت مین نوحہ خوانی کی ہوگی تم میری طرف سے میرے خاندان والون کو یہ اشعار سنا دینا،

احنّ الی قومی وان کنت نائیا　　　بانی قطین البیت عند المشاعر

مین اپنی قوم کا مشتاق ہون گو ان سے دور ہون　　　مین خانہ کعبہ مین مشعر حرام کے قریب رہتا ہون،

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم　　　ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

اس لیے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پر الم بنا رکھا ہے　　　اور اونٹون کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ　　　کرام معدّ کابرا بعد کابر

الحمد للہ کہ مین بنی معد کے ایک معزز　　　اور اچھے خاندان مین ہون جو نسلاً بعد نسل معزز ہے

بنی کلب کے زائرون نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھین چمک اٹھین اور دفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے "رب کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا؟" ان لوگون نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ساتھ لیکر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حضرت سرور کائنات صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر

بصد منت و لجاجت عرض کی "اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہلِ حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدون کی دستگیری کرتے ہو، قیدیون کو کھانا دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہین کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہینِ منت بناؤ، زرِ فدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہین" ارشاد ہوا "وہ کون ہے؟ بولے "زید بن حارثہ!" آنحضرت صلعم نے حضرت زیدؓ کا نام سنا تو ایک لمحۂ تفکر کے بعد فرمایا "کیا اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہین؟" عرض کی "نہین" فرمایا "بہتر زید کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمھین پسند کرے تو تمھارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم مین ایسا نہین ہون جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دون" حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی، حضرت زیدؓ بلائے گئے، آنحضرت صلعم نے ان سے پوچھا "تم ان دونون کو پہچانتے ہو؟" عرض کی "ہان! یہ میرے باپ اور چچا ہین" آپ نے ان کے ہاتھ مین قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا "مین کون ہون؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمھین اختیار ہے چاہے مجھے پسند کر یا ان دونون کو" حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہنشاہِ کونینؐ کی غلامی مین جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیان نثار تھین، بولے "مین ایسا نہین ہون جو حضور پر کسی کو ترجیح دون، آپ ہی میرے باپ، مان ہین" حضرت زید کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کر دیا، تعجب سے بولے "زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو" فرمایا "ہان! مجھے اس ذات پاک مین ایسے ہی محاسن نظر آئے ہین کہ مین اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہین دے سکتا"

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفاشعاری سے آقائے شفیق کے دل مین محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت صلعم نے خانہ کعبہ مین مقام حجر کے پاس ان کو لیجاکر اعلان فرمایا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے مین اسکا وارث ہون گا اور وہ میرا وارث ہوگا" اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لخت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوش عاطفت مین دیکھکر اطمینان ہوگیا، اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے،

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت صلعم ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زد عام وخاص ہوئے، یہان تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آبار کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے،[۱]

اسلام آنحضرت صلعم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی مین شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلامون مین سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو رسول اللہ صلعم نے ان سے بھائی چارہ کرا دیا، ان دونون مین اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات مین تشریف لیجاتے تھے تو انھی کو اپنا وصی بنا کرجاتے تھے[۲]

شادی حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلعم کی آیا اور کنیز تھین، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور امان کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ صلعم کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے) ان سے

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۲۹، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہ،

نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضؓ جو اپنے والد کے بعد حِبُّ رسول اللہ صلعم کے لقب سے مشہور ہوئے انھی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے[1]

ہجرت | مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو آنحضرت صلعم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدم رضؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیر انصاری جو قبیلہ عبد الاشہل کے معزز رئیس تھے ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے لیکن یہاں پہنچکر آپ نے ان کے لیے ایک علٰحدہ مکان مخصوص فرمایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی وخاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زید نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہوگئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت زید رضؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انھوں نے کہا "جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی" چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین میں داخل کر دیا[2]

فلما قضی زید منھا وطرا زوجنٰکھا — جب زید نے حاجت پوری کی تو ہم نے اسکو تم سے بیاہ دیا

حضرت زید رضؓ چونکہ آنحضرت صلعم کے متبنّٰی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے اس لیے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے "محمدؐ ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۸: قسم اول ص ۳۰ [2]

کی بیوی سے نکاح کرتے ہین لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کردیا،

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن | محمد تمھارے مردون مین سے کسی کے باپ نہین بلکہ
رسول اللہ وخاتم النبیین، | وہ خدا کے رسول اور انبیا کی مہر ہین،

اور مسلمانون کو حکم ہوا،

ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ | لوگون کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے[1]

غزوات | حضرت زیدؓ تیر اندازی مین مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ مین تھا جو اس فن مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے، معرکۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم و خون ریز معرکے پیش آئے سب مین پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے غزوۂ مریسیع مین چونکہ رسول اللہ صلعم نے ان کو مدینہ مین اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لیے اس مہم مین حصہ نہ لے سکے[2]

متفرق کارنامے | مشہور معرکون کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری مین سر ہوئین، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ جس فوج کشی مین زیدؓ شریک ہوتے تھے، اس مین امارت کا عہدہ انھی کو عطا ہوتا تھا[3] اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے[4] ان مہمات مین سے پہلی مہم سریہ قردہ تھی جس مین انھون نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ

---

[1] بخاری کتاب التفسیر [2] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۳۱، [4] ایضاً،

شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے لائے[1]،

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین تھے، اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے[2]۔

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سواروں کے ساتھ یکایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مالِ غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع انحضرت صلعم کے داماد بھی تھے جنھوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرور کائنات صلعم کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے مخلصی پائی[3]۔

اسی سال ماہ جمادی الثانی میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا[4]، اس کے بعد مقام حسمی پر فوج کشی ہوئی، پانچسو جانباز مجاہدان کے زیر کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے، ہنید اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچہزار بھیڑ، بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے

---

[1] طبقات حصہ مغازی باب سریہ قردہ ص ۲۴ [2] ایضاً سریۂ جموم ص ۶۲ [3] ایضاً سریۂ عیص ص ۶۳ [4] ایضاً سریۂ طرف ص ۶۳

زید بن رفاعہ کے ساتھ دربارِ نبوت میں ارسال کئے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہنچکر اسلام قبول کر لیا تھا اسلیے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گیے اور مالِ غنیمت واپس کر دیا گیا[1] پھر اسی سال ماہ رجب مین وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے،

ماہ رمضان المبارک سنہ ۶ھ مین حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروانِ تجارت کیساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامانِ تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادیِ قری کے نواح مین پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویانِ توحید کو سخت اذیتین پہنچائین، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچاکر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت مین اس واقعہ کی اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لیے حضرت سرورِ کائنات صلعم نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان ڈاکوؤن پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دیکر مدینہ واپس آئے، انھون نے آستانۂ نبوت کو پہنچکر دستک دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حالت مین تھے اُسی حالت مین باہر تشریف لے آئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگاکر ان کی پیشانی کا بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے[2]،

مہم موتہ اور شہادت موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا، حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی جو شاہِ بصریٰ کے دربار مین سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اسی مقام

[1] طبقات حصہ مغازی باب سریہ طرف ص ۶۳ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زید الی ام القری ص ۶۵

پر شرحبیل بن عمرو غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کیگئی[1]۔ آنحضرت صلعم نے ان کے انتقام کے لیے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کرکے حضرت زید بن حارثہ کو لوائے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہون تو جعفر اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہونگے[2] حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزان ہوگا اس لیے انھون نے کھڑے ہوکر عرض کی "یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے، ارشاد ہوا" اس کو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتر کیا ہے[3]؟

جمادی الاولی سنہ ۸ھ مین یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دل امڈ آیا تھا لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی پروا نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف مین گھس گئے، ان کے اتباع مین دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کردیا، دیر تک گھمسان جنگ رہی اس حالت مین نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانام صلعم کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے بعد یکے بادیگرے حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہ نے علم ہاتھ مین لیا اور غازیان دین کو مجتمع کرکے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤن اکھڑ گئے[4] آنحضرت صلعم نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگون کو امرائے فوج

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی باب غزوہ موتہ، [2] بخاری باب غزوہ موتہ، [3] طبقات سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۳۲

[4] بخاری باب غزوہ موتہ

کی خبر شہادت سنادی اور وفورِ غم سے آبدیدہ ہو گئے، حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ کیا ہے" فرمایا "یہ جذبۂ محبت ہے"[۱]

انتقام حضرت سرور کائنات صلعم کو اپنے محبوب و وفاشعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لیے بعضوں نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی، آنحضرت صلعم نے فرمایا "تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے"[۲]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا، لیکن خلیفۂ اوّل نے ہجوم مصائب و صعوبات گوناگون کے باوجود کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے؛

اخلاق حضرت زیدؓ کے صحیفۂ اخلاق میں وفاشعاری کا باب سب سے نمایاں ہے گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضا پسندی ان کا پرلطف مقصد حیات تھا حضرت ام ایمنؓ گو ایک مسن عورت تھیں تاہم انھوں نے محض اسلیے ان سے نکاح کر لیا کہ آنحضرت صلعم ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے[۳]

حضرت رسالتمآب صلعم اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے؛

---

۱ بخاری غزوۂ موتہ، ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲، ۳ بخاری ذکر اسامہ بن زید، ۴ طبقات ابن سعد تذکرہ ام ایمن

حضرت زینبؓ بنت جحش کے پاس (جنکو انھون نے ناموافقت کے باعث طلاق دیدی تھی) آنحضرت صلعم کی طرف سے پیام لیکر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منھ پھیر کر کہا[۱]،

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارنامون کی تفصیل نہین ملتی تاہم درحقیقت انکے وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالتمآب صلعم کی نگاہ مین سب سے زیادہ محبوب بنادیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ اگر وہ آنحضرت کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھین کو اپنا جانشین بناتے[۲] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد مین دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول صلعم دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے"[۳]

حلیہ اور عمر | حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۰ یا ۵۵ برس کی عمر مین شہادت پائی[۴]،

ازواج | مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین بیویون کے نام یہ ہین:

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین مین شامل کی گئین[۵]،

اولاد | دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا موخرالذکر دونون بچون نے بچپن ہی مین داغ مفارقت دیا[۶]،

---

[۱] مسلم باب زواج زینب بنت جحش [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۳۱ [۳] بخاری ذکر اسامہ بن زید [۴] اصابہ تذکرہ زید بن حارثہ [۵] اسدالغابہ تذکرۂ زید بن حارثہ [۶] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۳۱

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام نسب | عبداللہ نام، ابو العباس کنیت والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن العباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی آنحضرت صلعم کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ انکی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں،

ولادت | حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کردیا تھا حضرت عباسؓ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منھ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی[۱]

اسلام | حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضل رضؓ نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین	ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفاء اسلام میں تھے
ولم یکن مع ابیہ علی دین قومہ	(جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ

[۱] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ، [۲] بخاری ج ۱ ص ۱۸۱

وقال الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ وہ اپنے والد کیساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے

کہ اسلام سربلند رہیگا مغلوب نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے "الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان" تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جنکو خدا نے معذور قرار دیا ہے[1]

ہجرت | حضرت عباسؓ شہ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے علانیہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے[2]، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے ایک روز انھوں نے واپس آکر بیان کیا "میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جسکو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟" حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی "اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا[3]"

عہد طفولیت و مصاحبت رسول | حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے تاہم انھوں نے رسول اللہ صلعم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلعم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے

---

[1] بخاری ج ۲ صفحہ ۶۶۲ [2] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبد المطلب ۱۲

[3] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ،

ایک گھر کے دروازہ مین چھپ گیا، لیکن آپ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، "جا معاویہ کو بلا لا"، وہ آنحضرت صلعم کے کاتب تھے مین دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا "چلئے رسول اللہ صلعم آپ کو یاد فرماتے ہین، کوئی خاص ضرورت ہے"[۱]

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھین اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھین، اسلیے وہ اکثر ان کی خدمت مین حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ صلعم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہین کہ "ایک مرتبہ مین رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہؓ کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت صلعم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھنے لگے، مین بھی اٹھ کر بائین طرف کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا"[۲]

اسی سلسلہ مین بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نماز کے لیے بیدار ہوئے، انھون نے وضو کے لیے پانی لاکر رکھدیا، آپ نے وضو فرما کر پوچھا "پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت صلعم نے خوش ہو کر دعائین دین اور فرمایا "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا[۳]

ایک دفعہ وہ نماز مین آنحضرت صلعم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ حسب سابق پیچھے ہٹ کر کھڑے رہ گئے، آنحضرت صلعم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا، "تمھارا کیا حال ہے؟" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا آپکے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہو سکتا ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہین؟" آنحضرت صلعم نے انکے لئے ازدیاد علم و فہم کی دعا فرمائی[۴]

۱ مسند جلد ۱ ص ۲۹۱، ۲ بخاری ج ۱ ص ۹۷، ۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۸ و مستدرک جلد ۳ ص ۵۳۴، ۴ مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۰ و مستدرک ج ۳ ص ۵۳۴

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلعم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفۂ اوّل نے بھی داغِ مفارقت دیا، خلیفۂ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے حضرت عمرؓ نے ان کو جوہر قابل پاکر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت میں لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"[1]،

محدث عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں "کان عمر یحب ابن عباس و یقربہ"[2] یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ"، حضرت عمرؓ ان کو پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشاء اللہ علم و فضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئیگی،

خلیفۂ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیرِ اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۱۵

[2] استیعاب ج ۱ ص ۳۶۵

پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک جماعت کیساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم مین شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع مین جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا تو سکو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "مین خیال کرتا ہون کہ آپ حبرِ عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہین"۔[1]

امارت حج | چونکہ ۳۵ھ مین حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دیسکے، انھون نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا، "خالد بن العاصؓ کو مین نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، مین ڈرتا ہون کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید اونکی مزاحمت کیجائے اور اس طرح خانۂ خدا مین بھی فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو، اس لیے مین تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہون"۔[2]

حضرت عبداللہؓ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پُر آشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہوچکے تھے، اور حضرت علیؓ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انھون نے ان سے مشورہ طلب کیا،

حضرت علیؓ: خلافت کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ مین خیال کرتا ہون کہ اس حادثۂ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہین کر سکتا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: "یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کیجائیگی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائیگا تاہم لوگون کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے"

غرض اہل مدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ

---

[1] اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن عباسؓ [2] طبری واقعات ۳۵ھ،

عمال وحکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انھوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا "امیر المومنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا" حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے "میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی لیکن دوسری دفعہ انھوں نے آپ کو دھوکا دیا"

حضرت علیؓ۔ خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیا دار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے،

حضرت علیؓ۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو رہنے نہ دونگا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کرونگا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر ینبع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا،

حضرت علیؓ۔ اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے،

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انھون نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ کو برقرار رکھکر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہان تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہوکر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا "خدا کی قسم یہ کبھی نہین ہو سکتا"[1]

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بنکر سامنے آیا، تمام ملک مین جناب امیر کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کرکے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام مین ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریان شروع کر دین،

جنگ جمل حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گران کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ مین آ چکا تھا اسلیے طرفین نے میدان ذی قار مین صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیر کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے یہان تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا،

ولایت بصرہ بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہان کے گورنر بنائے گئے اور زیاد اُن کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے،

معرکۂ صفین جنگ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکۂ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[1] طبری صفحہ ۳۰۸۵

بصرہ سے ایک جماعت فراہم کرکے جناب امیر کی حمایت مین میدان جنگ پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا،

چونکہ دونون طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجین نکلکر معرکہ آرا ہوتی تھین اس لیے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیان خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا، یہان تک کہ ایک روز شامی فوجون نے شکست کے خوف سے اپنے نیزون پر قرآن مجید بلند کرکے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہواخواہون نے اپنی فوج کو اسی دام تزویر سے محفوظ رکھنے کی بیحد کوشش کی تاہم فریق کا جادو چل چکا تھا ایک بڑی جماعت نے دعوت قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا،

ثالثی اور اسکا حشر | غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محول ہوا، شامیون نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگون نے اس پر اعتراض کیا اور کہا آپ اور عبداللہ بن عباسؓ ایک ہی ہین، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے دونون فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لیے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیون کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طینت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ

سنے ان سے کہا "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہین کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھین" بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجایش نہین" غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر پہلے کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا

"صاحبو! ہمنے علی اور معاویہ دونون کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانون کی مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جسکو چاہے اپنا امیر بنائے"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ نہایت صحیح ثابت ہوا، عمرو بن العاصؓ نے قرار داد سے منحرف ہو کر کہا "صاحبو! بیشک علیؓ کو جیسا کہ ابوموسیٰؓ نے معزول کیا مین بھی معزول کرتا ہون لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہون کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہین"

حضرت ابوموسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباس نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا لیکن مین نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانون کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دینگے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیر کے اعوان و انصار مین تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی، اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی اسکا عقیدہ تھا کہ معاملات دین مین حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونون حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہین[1]

[1] یہ کل واقعات طبری سنہ ۳۶ھ سے ماخوذ ہین،

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیون کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردین، لیکن قلوب تاریک ہوچکے تھے، آنکھون پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑچکا تھا اس لیے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششین ناکام رہین،

معرکۂ نہروان خارجیون نے نہروان مین مجتمع ہوکر علانیہ سرکشی اختیار کی اور تمام ملک مین قتل و غارت گری کا بازار گرم کردیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہوچکے تھے ان سرکشون کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے وہ وہان سے تقریبًا سات ہزار کی جمعیت فراہم کرکے مقام نخیلہ مین افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچکر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے[1]

ایران کی حکومت جنگ نہروان نے گو خارجیون کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتون نے فارس، کرمان، اور ایران کے دوسرے اضلاع مین پھیل کر ایک عام شورش برپا کردی اور ذمیون کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کردیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبون سے عمال نکال دیئے گئے اور مجوسیون نے خراج ادا کرنے سے قطعًا انکار کردیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلاکر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہؓ نے کہا "مین ایران مین تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہون" چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہان کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور انکو تمام ایران کا حاکم اعلی بنا دیا[2]

---

[1] تاریخ الطوال، [2] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹،

بغاوت کا استیصال حضرت عبد اللہؓ نے بصرہ پہنچکر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انھون نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران مین امن و سکون پیدا کردیا[1]

مکہ مین عزلت نشینی ایک روایت کے مطابق ۳۹ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی مین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ مین عزلت نشینی اختیار کرلی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو الاسود دُئلی قاضی بصرہ مین باہم مخالفت تھی، ابو الاسود نے بارگاہِ خلافت مین ان کی شکایت لکھی کہ انھون نے بیت المال مین تصرف بیجا کیا ہے، حضرت علیؓ نے ان سے جواب طلب کیا تو انھون نے لکھا،

ان الذی بلغک باطل وانی لما تحت	آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ مین
یدی ضابط قائم لہ ولہ حافظ فلا	جو کچھ ہے مین اسکا محافظ و نگہبان ہون آپ ان
تصدق الظنون،	بدگمانیون کو باور نہ فرمائین،

حضرت علیؓ نے اس کے جواب مین اُن سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انھون نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا،

فہمت تعظیمک مرزاتہ ما بلغک انی	مین سمجھتا ہون کہ آپ اس شکایت کو کہ مین نے اس
رزاتہ من مال اہل ہذا البلد فابعث	شہر والون کے مال مین کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت
الی عملک من احببت فانی ظاعن عنہ	دینا چاہتے ہین اسلئے آپ اپنے کام پر جسکو چاہیئے
والسلام	بھیجد یجئے مین اس سے کنارہ کش ہوتا ہون،

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انھون نے

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹ [2] ایضاً ص ۳۴۵۴،

لکھ بھیجا کہ ابھی مین نے اپنا پورا حق نہین لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے،

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور رہے البتہ جب حضرت امام حسینؓ اور امیر معاویہؓ مین مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انھون نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہ کو خط لکھکر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ جاکر گوشہ نشین ہو گئے[1]

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

سنہ ۶۰ھ مین امیر معاویہ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہان سے عازم کوفہ ہوئے،

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فیون کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے اس لیے انھون نے حضرت امام حسینؓ کو بہ اصرار تمام کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا،

عبداللہ بن عباسؓ۔ اے ابن عم! مین اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہون، لیکن وہ نہین ہوتا، اس طریقہ سے جانے مین مجھکو تمھاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہین، تم ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو اس لیے کوفہ جانے سے یہان مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہان! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمھارے عقیدت کیش ہین تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کرین، پھر ان کے پاس جاؤ اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہان بہت سے قلعے اور گھاٹیان ہین، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمھارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازین دشمن کے دور ہونے کے

---

[1] طبری ذکر بیعت حسن بن علیؓ،

باعث لوگون سے مراسلت و مکاتبت کرسکتے ہو اور تمام ملک مین اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائیگا۔"

حضرت امام حسینؓ۔ اے ابن عم! خدا کی قسم مین جانتا ہون کہ آپ میرے سچے خیر خواہ و مہربان ہین لیکن اب سفرِ کوفہ کی تیاریان ہو چکی ہین، اور مین نے وہان جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے،

عبداللہ بن عباسؓ۔ اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچون کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم! مجھے خطرہ ہے کہ کہین تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح حضرت عثمان اپنی عورتون اور بچون کے سامنے ذبح کیے گئے،

لیکن مشیت الٰہی مین کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ضد و اصرار کے باوجود حضرت امام حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدانِ کربلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہو گا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر مین نابینا ہو گئے تھے[1] شاید یہ اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو،

عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار | اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مین خلافت کا دعوی کیا، چونکہ حجاز و عراق مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اسلئے انھون نے ان سے بیعت کے لیے بحد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ مین جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑون سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس بنا پر انھون نے نہایت سختی سے انکار کیا

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۹۵ ،

اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیجکر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی،

ابوطفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے اردگرد لکڑیوں کا انبار لگایا جاچکا تھا، ہم نے ان سے کہا "اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الٰہی کو نجات دیں" بولے "نہیں! یہ حرم ہے یہاں کشت وخون جائز نہیں تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو"[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنوامیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "کیا آپ ابن زبیر سے لڑکر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟" بولے "معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنوامیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کرونگا، میں نے کہا "لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟" فرمایا "کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواری رسول تھے، ان کے نانا ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کے رفیق غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ ام المومنین تھیں ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت صلعم کی حرم محترم تھیں اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت صلعم کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاکباز مومن اور قاری قرآن ہیں خدا کی قسم اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کرینگے تو یہ ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کرینگے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی[2]"

طائف منتقل ہونا | لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۵ [2] بخاری ج ۲ ص ۶۷۲،

ہوگئی تھی، اسکی بنا پر مکہ میں انکا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لیے کوفی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے،

وفات | ۶۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے اردگرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا، بولے "میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑ رہا ہوں جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، اشرف و مقرب ہے، اس لیے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو" غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کرکے کہا "خدا کی قسم! آج دنیا سے جرامت اٹھ گیا" غیب سے ندا آئی۔

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ راضیۃ مرضیۃ، (فجر) یعنی اے نفس مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ[1]

علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس میں تمام علوم و معارف پرترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو، تفسیر بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ "عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں، شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباسؓ

[1] اصابہ ج ۴ ص ۹۴

نے خطبہ دیا اور اس مین سورۂ نور کی تفسیر بیان کی، مین کیا بتاؤن وہ تفسیر کیا تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانون نے سنی تھی، نہ آنکھون نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی [1]

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسون مین یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم مین وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لیجاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقۂ مجلس مین اکابر صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیۃ کا مطلب پوچھا

ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ من	کیا تم مین سے کوئی اسکو پسند کریگا کہ اسکا کھجور اور انگور کا
نخیل واعناب تجری من تحتھا الانہار	ایک باغ ہو جس کے نیچے نہرین روان ہون، اس کے لئے
لہ فیہا من کل الثمرات واصابہ الکبر	ہر قسم کے پھل اس مین موجود ہون، اور اس شخص پر بڑھاپا
ولہ ذریۃ ضعفاء فاصابہا اعصار	آگیا ہو، اس کے ناتوان بچے ہون، اس حالت مین اس باغ
فیہ نار فاحترقت کذلک یبین اللہ	مین ایسا بگولہ آیا جسمین آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا
لکم الایات لعلکم تتفکرون	اسی طریقہ سے اللہ تمھارے لئے کھول کھول کر نشانیات
(بقرہ ۳۶)	بیان کرتا ہے، شاید تم سمجھو،

لوگون نے کہا واللہ اعلم، حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہین معلوم تو صاف صاف کیون نہین کہتے کہ نہین معلوم، ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل مین ہو بیان کرو، کہا اس مین عمل کی مثال دیگئی ہے، جواب گو صحیح تھا تاہم ناکافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس مین اس دولتمند

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۷،

کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہون مین مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہین[1]

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسون مین شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انھون نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسون مین کیون شریک کرتے ہو، ان کی برابر تو ہمارے لڑکے ہین، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لیے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگون سے پوچھا کہ

اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ (نصر) — جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرو،

کے بارہ مین تم لوگون کا کیا خیال ہے، کہ اس کے کیا معنی ہین، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ تمھارا بھی یہی خیال ہے، انھون نے کہا نہین، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس مین آنحضرت صلعم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے[2]، درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن مین ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہان تک مشکل سے دوسرون کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیہ نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ مین مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس مین خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفاء عہد پر حمد و ثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار ابو بکر صدیقؓ کی آنکھون سے جوے اشک روان ہو گئی، کہ اس کو صبح وصل کا نور چھپتا ہوا

---

[1] بخاری ج اکتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ الخ [2] ایضاً باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ

اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی۔[1]

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلعم کی وفات سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھکر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا مین انسان ایک نہ ایک مقصد لیکر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہین رہتی، آنحضرت صلعم دین الٰہی کی تبلیغ کے لیے دنیا مین تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اسکی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق جوق خدا کے دین مین داخل ہوئے ہین تو اب تم خدا کی تحمید و تقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے یعنی خدا کو جو کچھ کام تمھارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیئے،

حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین ہمیشہ عام جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر مین کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہین کہ آنحضرت صلعم نے سورۂ کوثر کے نزول کے بعد پوچھا "جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے"؟ لوگون نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا "خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس مین بے شمار بھلائیان ہین، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی"[2] حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہین اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر"[3] حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیۂ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیرین بھی اس کے تحت مین آجاتی ہین،

---

[1] صحیح بخاری، [2] مسلم، [3] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر انا اعطیناک الکوثر،

اور قرآن پاک کے سلسلۂ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برات (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ مین داخل ہو جائے،

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (شوریٰ ۳) — کہدو اے محمدؐ (تبلیغ رسالت کے عوض) مین تم سے کوئی صلہ نہین مانگتا صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو۔

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت صلعم کے اہلبیت لیتے ہین، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس مین شامل کرتے ہین، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے، اس سے مراد آنحضرت صلعم کی قرابت ہے یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلعم کی قرابت نہ رہی ہو اس آیت مین یہ سب شامل ہین[1]

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارہ مین اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے جزئیات اور ما لہ وما علیہ سے ان کو پوری واقفیت نہ ہو،

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (نساء ۱۴) — اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لیے) جو تم کو سلام کرے اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہین ہے،

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنون احسان ہے، وہ بیان کرتے ہین کہ کسی غزوہ مین ایک شخص کچھ مال غنیمت لیے ہوئے تھا، مسلمانون کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگون نے (شبہ مین) مار ڈالا اور مال غنیمت چھین لیا

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا الخ

اس پر یہ حکم نازل ہوا[۱]

اسی طریقہ سے اس آیۃ،

ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین (حجر ۲)	ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھکر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں،

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت نماز کی جماعت میں شریک ہوتی تھی بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے اور رکوع میں بغل کے راستہ سے نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی[۲]،

قرآن مجید کا یہ حکم

لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم (آل عمران ۱۹)	اور جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور جو نہیں کیا اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے،

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کئے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لیے مروان نے اپنے دربان کو عبداللہ بن عباسؓ [illegible] کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم میں سے

۱؎ مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۲۹، ۲؎ ایضاً ص ۳۰۵،

کون ایسا ہے، جس کے دل مین یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب مین مبتلا ہونگے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگون سے کوئی تعلق نہین، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ مین نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت،

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب — جب خدا نے ان لوگون سے جنکو کتاب دی ہو یہ عہد

لتبیننہ للناس (آل عمران ع ۱۹) — لیا کہ وہ اسے لوگون کو کھول کھول کے سنائین گے،

تلاوت کرکے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انھون نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا انھون نے اصل جواب جو ان کی کتاب مین تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشا، دوسرا فرضی جواب دیکر آنحضرت صلعم پر ظاہر کیا کہ انھون نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلعم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شادان و فرحان ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہین (جیساکہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہین کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیساکہ یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خوشنودی کے خواہان ہوئے تھے) تو ایسے لوگون کے لیے عذاب سے چھٹکارا نہین ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، طباعی، دقیقہ سنجی، اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع مین سوال کیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے تم لوگ اس سے کونسی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتوین، کسی نے پانچوین، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیون نہین بولتے، عرض کی اگر آپ فرماتے ہین تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے،

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۹۸،

حضرت عمرؓ نے فرمایا مین نے بولنے ہی کے لیے تمھین بلایا ہے، کہا مین اپنی ذاتی رائے
دونگا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہون، کہا مین نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین،
ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس مین غلہ، انگور، شاخ،
زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اگائے، یہ بھی سات باتین ہین، حضرت
عمرؓ نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے، جس کے سر کے گوشے
بھی ابھی درست نہین ہوئے، یہ جواب کیون نہ دیا،[1] گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی، کی تعیین کی
تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہین، سبھون نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے
قیاس و فہم کے مطابق لی کسی نے سات کی شب بھی لے لی، لیکن ابن عباسؓ نے قرآن
سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین نہایت دلیری سے کام لیتے تھے
بعض محتاط صحابہؓ اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخران کو بھی ان کی مہارت
تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا،

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت "کانتا رتقا
ففتقناھما" کا مطلب پوچھا، انھون نے امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیا
کہ ان سے پوچھکر بتاؤ، اس نے جاکر پوچھا، انھون نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی
نہ برسائے، زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت
ابن عمرؓ کو سنایا، انھون نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھکو تفسیر
قرآن مین ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم انھین کا حصہ ہے[2]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۹، [2] اصابہ ج ۴ ص ۹۲،

حضرت ابن عمر اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباس رض کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا انھون نے کہا ابن عباس رض سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہین ان مین سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہین[1]

علوم قرآنی مین علم النسخ کی اہمیت بالکل عیان ہے، حضرت ابن عباس رض اس بحر ذخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن مین مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کے لیے لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہین، اس نے کہا نہین، فرمایا، تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسرون کو بھی ہلاک کیا[2]

گو حضرت ابن عباس رض قرآن کی تعلیم مین بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لیے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوگی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائیگا، تو امت مین اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمر رض کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمر رض نے اپنے عہد خلافت مین سارے ممالک محروسہ مین حافظ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانون کو قرآن کی تعلیم دین، ایک دن ابن عباس رض ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمر رض نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباس رض بولے کہ اب ان مین اختلاف کا تخم پڑ گیا، حضرت عمر رض نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے

[1] اصابہ ج ۴ ص ۹۳ [2] کتاب الناسخ والمنسوخ ابو جعفر نحاس،

معلوم ہوا، اس واقعہ کے بعد پھر چلے آئے لیکن حضرت عمرؓ کے دل مین ان کا کھٹکا رہا، چنانچہ آدمی بھیجکر ان کو بلا بھیجا، انھون نے عذر کر دیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انھون نے کہا پناہ بخدا اب مین کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کرون گا، حضرت عمرؓ نے کہا مین طے کر چکا ہون کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہونگا، اس اصرار پر انھون نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا، اس پر مین نے کہا کہ ان لوگون مین اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انھون نے سورۂ بقر کی یہ آیتین پڑھ کر سنائین،

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام، وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد وإذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالإثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد، ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد،

(بقرہ ع ٢٥)

اے محمد لوگون مین سے بعض ایسے آدمی بھی ہین جنکی باتین تم کو دنیا وی زندگی مین بھلی معلوم ہوتی ہین اور وہ اپنی دلی باتون پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ دشمنون مین بڑا جھگڑالو ہے، اور جب وہ تمھارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک مین پھرے تاکہ اس مین فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہین کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا کو ڈر تو ان کو عزت نفس گناہ پر آمادہ کرے، ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگون مین کچھ ایسے بھی ہین جو خدا کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہین اور اللہ بندون پر شفقت کرنے والا ہے،

یہ باتیں سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے سچ کہا[1]

حدیث حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے ان میں ۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۱۰ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں اور ۴۹ میں مسلم[2]

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہ راست خود زبان وحی و الہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے ان کے ذوق علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلعم وفات پا گئے مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں، چلو ان سے تحصیل علم کریں، انہوں نے کہا ابن عباسؓ مجھکو تم پر حیرت ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سنکر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ ابن عم رسولؐ آپ نے کیسے تکلیف کی، یہ اپنا مدعا بیان کرتے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث سنی ہے،

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۰ شرط شیخین، [2] تہذیب الکمال ص ۲۰۲،

وہ کہتا ابن عم رسول اللہ آپ نے کیون زحمت گوارا کی کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہین یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چنکر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا، اسوقت ان انصاری نے جنھون نے ساتھ چلنے سے انکار کیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقلمند تھے"[1]

ابوسلمہؓ روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث سنی ہے تو مین خود اس کے مکان پر جاکر حاصل کرتا حالانکہ اگر مین چاہتا تو راوی کو اپنے یہان بلوا سکتا تھا[2]

ابورافع آنحضرت صلعم کے غلام تھے اس لیے ان کو آنحضرت صلعم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لیکر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلعم نے فلان فلان دن کیا کیا، ابو رافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا[3]

اسی تلاش وجستجو نے ان کو اقوال وافعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ مین ان سے کہین زیادہ تھے، ان کے مقابلہ مین اپنے قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انھون نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو، انھون نے کہا ہان، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ نہ دیا کرو، انھون نے کہا مین تو یہی دونگا، اگر آپ کو شک ہے تو فلان انصاریہ سے جاکر پوچھ لیجئے کہ اسکو

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل ابن عباس سعی ابن عباس فی طلب العلم،

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اوّل ص ۵ [3] اصابہ ج ۴ ص ۹۲،

یہ حکم دیا تھا یا نہیں؟ زید بن ثابتؓ نے جاکر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا[1]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ میں محرم کے سر دھونے کے بارہ میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کئے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا، انھوں نے پوچھا کون ہو؟ کہا میں ہوں عبداللہ بن حنین، ابن عباسؓ نے پوچھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے، ابو ایوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔[1]

جب صحابہ کرامؓ میں آنحضرت صلعم کے کسی قول و فعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا، تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ میں کہ آنحضرت صلعم نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہؓ میں بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابو العباس مجھکو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے اصحابؓ میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انھوں نے کہا میرے معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں، چونکہ آنحضرت صلعم نے ایک ہی حج کیا ہے اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذو الحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے انھوں نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں سے ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد جب آپ بلند مقام

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۲۶ و ابو داؤد کتاب المناسک باب المحرم یغسل راسہ

پر چڑھے تب لبیک کہا جو لوگ اس وقت آکر ملے، وہ یہاں سے ابتدا سمجھے، چنانچہ وہ کہتے ہین کہ جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ آپ نے مسجد مین احرام باندھا اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب اور جب بلند مقام پر چڑھے تب دونون مرتبہ لبیک کہا[1]

روایتون مین احتیاط عموماً کثیر الروایت راویون کے متعلق یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے مین محتاط نہین ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہین رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلعم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہان اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلعم کی حدیث بیان کرتے تھے جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثین بیان کرنا شروع کر دین، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا[2] لوگون سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہین معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس مین سما جاؤ،[3] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت صلعم کا نام نہ لیتے تھے کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے،

حلقۂ درس حضرت ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، سیکڑون طلبگار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا، کبھی کوئی

---

[1] ابو داؤد کتاب المناسک، باب وقت الاحرام [2] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات،

[2] ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

[3] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۳۳۵،

شخص ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کیساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جاکر اس اژدحام کی اطلاع دی، مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انھوں نے وضو کیا، وضو کرکے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی اور دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دیکر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ انکا جم غفیر آیا، اور جنکو جو سوالات کرنا تھے پیش کئے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دیکر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمھارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشتر دوں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیکر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر و شاعری اور ادب و اشعار کے سائلوں کو بلاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کئے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کرکے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی،[1]

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کبھی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۸،

عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہین کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگون کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہوگیا، اور تارے نکل آئے لوگون نے نماز نماز کی آوازین بلند کرنا شروع کین، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا ام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، مین نے آنحضرت صلعم کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب وعشا کی نمازین ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شقیق کے دل مین یہ بات کھٹکتی رہی، انھون نے جاکر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ہان صحیح ہے[1]،

حضر کے علاوہ سفر مین بھی ان کا یہ چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنون کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبان علم کی درسگاہ بن جاتی تھی[2]،

ترجمان کا تقرر اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکلکر ایران ومصر وغیرہ مین پھیلا، تو وہ قومین اسلام کے حلقہ اثر مین آئین جنکی زبان عربون سے جدا تھی ابن عباسؓ نے انکی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال مین زحمت نہ ہو[3]،

تلامذہ ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، ان کی تعداد ہزارون تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردون کی مختصر فہرست یہ ہے،

بیٹون مین محمد اور علی، پوتون مین محمد بن علی، بھائیون مین کثیر، بھتیجون مین عبداللہ بن عبیداللہ، اور عبداللہ بن معبد، عام لوگون مین عبداللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابوالطفیل، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن شداد

[1] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر ۲ [2] استیعاب ج اول ۳۷۳ [3] مسلم ج اول

یزید بن اصم، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ابو جمرہ ضبعی، ابو مجلز لاحق بن حمید، ابو رجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابو الجوزاء، اوس بن عبد اللہ ربعی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبد اللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابو الجویریہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف، رفیع ابو العالیہ، مقسم، ابو صالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابو الحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابو الحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابو زمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن کعب بن مالک، عبد اللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبد الرحمٰن بن مطعم، عبد الرحمٰن بن وعلہ، عبد العزیز بن رفیع، عبد الرحمٰن بن عابس نخعی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور، عبید اللہ بن یزید المکی، علی بن ابو طلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، مسلم القری، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحیی بن یعمر، ابو البختری الطائی، ابو الحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابو حمزہ قصاب، ابو الزبیر مکی، ابو عمر البہرانی، ابو المتوکل الناجی، ابو النضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم،[1]

فقہ و فرائض حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ، فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہیئے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو بکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے،[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد انہیں نے رکھی، وہ تمام فقہاء جنکا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے،

---

[1] تہذیب التہذیب ج۵ [2] اعلام الموقعین ج اول ص۱۳،

وہ سب بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہہ و مجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کرکے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیگا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلعم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ نہ حل ہوتا، تو پھر خود اجتہاد کرتے مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو کیا معاملہ پیش آئے گا"[1]

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباسؓ[2] کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے، کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کرو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے اس کو تم لوگ نہ دو" یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے[3]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ

---

[1] اعلام الموقعین ج اوّل ص ۱۳ [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۹

بھی اس فن مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض مین ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے[1]

دیگر علوم | ان مذہبی علوم کے علاوہ اون تمام علوم مین جو اس زمانہ مین لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقۂ درس مین عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربون مین شاعری لازمۂ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ مین نمونہ کے طور پر نقل کئے ہین،

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى — واعمل فكر الليل والليل عاكر

جب رات کے آنے والے غم کسی جوانمرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہین اور شب کے آخر حصہ مین تفکرات اپنا عمل کرتے ہین،

وباكرني في حاجة لم يجد بها — سواي ولا من نكبة الدهر ناصر

اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت مین اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس مین اور اسکی زمانہ کی بدبختیون مین اسکا کوئی مددگار نہین ہوتا

فرجت بمالي همه من مقامه — وزايله هم طروق مسامر

تو مین اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہون اور اس کے رات کی آنے والے تفکرات دور ہو جاتے ہین،

وكان له فضل علي بظنه — بي الخير اني للذي ظن شاكر

اور مین اسی کا ممنون ہوتا ہون کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو اسکا مین مشکور ہوتا ہون[2]

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انھون نے کوئی شہرت نہین حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا

---

[1] اسد الغابہ ج ٣ ص ١٩٣ [2] کتاب العمدہ ص٥،

بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے[۱]

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہ میں جو گفتگو ہوئی ہے، وہ حسن

بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے[۲]،

معاویہ، اجرک اللہ ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی، — **معاویہ**، ابو العباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے،

فقال ابن **عباس**، انا للہ وانا الیہ راجعون وغلبه البکاء فرده ثم قال لا یسد واللہ مکانه حفرتك ولا یزید موته فی اجلك واللہ قد اصبنا بمن هو اعظم منه فقد فما ضیعنا اللہ بعده — **ابن عباس**، ابن عباس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے خدا کی قسم ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا، خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا،

معاویہ، کم کانت سنه — معاویہ، ان کی عمر کتنی تھی،

ابن عباس، مولدہ اشہر من ان تعرف سنه — **ابن عباس**، ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں

معاویہ، احسبه ترک اولادا صغارا — معاویہ، میرا خیال ہے کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے،

ابن عباس، کان کلنا صغیرا فکبر ولئن اختار اللہ لابی محمد عندہ وقبضه الی رحمته لقد ابقی اللہ ابا عبد اللہ وفی مثله الخلف الصالح، — **ابن عباس**، ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے اگر خدا نے ابو محمد (حسن) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا تو ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسین) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں،

---

[۱] اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰ [۲] البیان والتبیین جاحظ ج ۲ ص ۱۸۰

تقریر اس قدر شیرین ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا تھا۔ مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی" ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی شیرین بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں[1]

ابن عباسؓ کی جامعیت

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابتِ رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابو بکر، عمر اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویلِ قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمۂ فیض ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور دیتا تھا[2]

معاصرین کا اعتراف

حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر ان کا

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ بتذکرہ عبید اللہ بن عباس [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴

علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جنمین سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے،

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والون مین نوجوان ہین ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے [1] مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "مین نے ابن عباسؓ کے فتاوی سے بہتر کسی شخص کا فتوی نہین دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے" [2] طاوس کہتے تھے کہ "مین نے آنحضرت صلعم کے پانسو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ مین ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونون مین اختلاف رائے ہوتا تو آخر مین ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا" [3]

عبید اللہ بن عباس کہتے تھے کہ مین نے عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہین دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانون کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لیے تیار کرتے تھے، [4] قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس مین کبھی کوئی باطل تذکرہ نہین سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتوی سنت نبوی کے مشابہ نہین دیکھا، [5] طاوس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیون چمٹے رہتے ہو؟ انھون نے کہا مین نے آنحضرت صلعم کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ مین گفتگو کرتے تھے تو آخر مین ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، [6] حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا، [7] مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھکر چلے

---

[1] یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہین ج اول ص ۳۸۴ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۴ [3] اصابہ ج ۴ ص ۹۲

تو میرے باپ نے کہا، کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا[1] حضرت ابی بن کعب رض کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباس رض اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلانے لگے[2]

معاصرین کی عزت | اس ذاتی علم و فضل کے باوجود وہ دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رض سوار ہوئے، تو ابن عباس رض نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت رض نے کہا اے ابن عم رسول ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے، زید بن ثابت رض نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیئے[3]،

بدعت سے نفرت | عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ ہر مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہ رض کے آخر زمانہ میں نو مسلم مجوسیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضا و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رض کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھکو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہوسکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دونگا، میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں، کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں"، تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۹۱ [2] مستدرک حاکم فضائل ابن عباس [3] اصابہ ج ۴ ص ۹۲

جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ ایسے لوگون کی بری راے یہین تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انھون نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اسکی خیر کی تقدیر سے منکر ہونگے۔[1]

رسول کی محبت حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپکی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے، سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہین کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا پنجشنبہ کا دن کون پنجشنبہ اتنا کہنے پائے تھے ابھی مبتدا کی خبر بھی نہ نکلی تھی کہ زار وقطار رونے لگے، اور اس قدر روے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگریزے ان کے آنسوؤن سے تر ہو گئے، ہم لوگون نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن مین کیا خاص بات تھی؟ بولے اسی دن آنحضرت صلعم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا، لاؤ مین تم لوگون کو ایک پرچہ لکھدون کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہین ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہو گیا ہے! اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت مین دے رہے ہین، یا ہذیان ہے! آپ نے فرمایا، میرے پاس سے ہٹ جاؤ، مین جس حالت مین ہون، وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھکو لے جانا چاہتے ہو۔[2]

رسول کی خدمت ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھین، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتون کو بھی رہ جاتے تھے، اس لیے آنحضرت صلعم کی خدمت گذاری کا بھی انھین موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت صلعم حضرت میمونہؓ کے گھر مین تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ نے دعا دی "خدایا ان کو دین مین سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۳۰، [2] ایضاً ص ۲۲۶،

عطا فرما۔"

ایک دوسری روایت مین ہے کہ آنحضرت صلعم جائے ضرور سے فارغ ہوکر تشریف لائے، تو ایک طشت مین پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے، ابن عباس نے عرض کی مین نے فرمایا، خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما، کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے ایک مرتبہ یہ بچون کے ساتھ کھیل رہے تھے، کہ آنحضرت صلعم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہین، بچپن کا زمانہ تھا، بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ مین چھپ رہے، آنحضرت صلعم نے پشت سے آکر پکڑ لیا، اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، معاویہ اس وقت آپ کے کاتب تھے، ابن عباسؓ نے جا کر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری ضرورت ہے فوراً چلو۔

رسول کا احترام | آنحضرت صلعم کا اتنا احترام کرتے تھے، کہ نماز مین بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آپ آخر شب مین نماز کے لیے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہوگئے، آنحضرت صلعم نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہوگئے مگر جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی، ابن عباس ہٹ کر اپنی جگہ پر آگئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ مین نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیون ہٹ گئے، عرض کی "کسی کی یہ مجال نہین ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے شانہ بشانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے" آنحضرت صلعم اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لیے فہم و فراست کی دعا فرمائی۔[1]

امہات المومنین کا احترام | آنحضرت صلعم کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے جب

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۶، ۵۳۷ بشرط شیخین،

حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام سَرف مین جنازہ کی شرکت کے لیے جمع ہوئے تو انھون نے کہا کہ لوگو یہ آنحضرت صلعم کی حرم محترم کا جنازہ ہے نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے؎۱،،

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کیساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشون کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہوگئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہوکر صفائی کرلی ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت مین ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، مین نے حضرت عائشہؓ سے جاکر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرھانے بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہین، بولین ان کو آنے کی ضرورت نہین، عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، اماں، ابن عباسؓ آپکے سعادتمند بیٹے ہین، وہ سلام کرتے ہین، اور رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہین انکو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت صلعم کے پاس پہنچا چاہتی ہین،) حضرت عائشہؓ نے جواب مین فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو" اس خوش آیند سلسلہ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپکے اور آنحضرت صلعم اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے مین صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے آپ آنحضرت صلعم کی محبوب ترین بیوی تھین، اور آنحضرت صلعم ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے؎۲

؎۱ مسلم کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا لضرتہا، ؎۲ مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۷۶،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام ونسب: عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر،

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے[1]

ابتدائی حالات: ایام جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء وامراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا،

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درسگاہ میں تعلیم پارہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں[1]،

اسلام: ایک روز آنحضرت صلعم اپنے مونس وہمدم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرارہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا، "صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ" بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دیسکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے" آنحضرت صلعم نے فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں" عرض کی "ہاں" اور ایک بکری پیش کی، آپنے

[1] اسد الغابہ ج ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ایضاً،

تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہان تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علحدہ پیالہ کر دہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینون آدمیون نے یکے باد دیگرے خوب سیر ہوکر نوش فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا،

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی "مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے" آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہوگئے، اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتون کی تعلیم حاصل کی جنمین کوئی انکا شریک سہیم نہ تھا،[1]

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت مین حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلعم نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا، انشاء اللہ آگے ایک خاص باب مین خدمت گزاریون کی تفصیل آئے گی،

جوشِ ایمان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ مین ایمان لائے تھے جبکہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین مین رسول اللہ صلعم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہین کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانون نے باہم مجتمع ہوکر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے ابتک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہین سنا" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پُر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے آگے بڑھکر اپنے آپ کو پیش کیا

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ، [2] مسند احمد بن حنبل،

لوگون نے کہا کہ تمھارا خطرہ مین پڑنا مناسب نہین، اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو، اور وہ اسکی حمایت مین مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔"

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جبکہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن مین حاضر تھے، اس وارفتۂ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟" کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سنتا تھا کہ تمام مجمع غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جسطرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہین، اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلۂ ایمان اس ظلم و تعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی،

حضرت عبداللہؓ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی و شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب مین واپس آئے تو لوگون نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے "خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر مین کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل مین پھر اسی طرح ان کے مجمع مین جا کر قرآن کریم کی تلاوت کرون، لوگون نے کہا بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانون تک پہنچا دیا[1]"

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ عبداللہ بن مسعود،

ہجرت حضرت عبداللہؓ کے جوش و غیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکینِ قریش کو دشمن بنا دیا، یہان تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیون سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمینِ حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی، اور یہان پہنچکر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونون مین باہم بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہؓ کو مسجدِ نبوی کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا۔[1]

غزوات حضرت عبداللہؓ تمام مشہور و اہم جنگون مین جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوۂ بدر مین دو انصاری نوجوانون نے سرخیلِ کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے، ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے۔[2]

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتحِ مکہ مین بھی رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب تھے، مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ مین غزوۂ حنین پیش آیا، اس جنگ مین مشرکین اس طرح یکایک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے، اور دس ہزار کی جماعت مین سے صرف اسّی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمعِ نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انہی جان نثارون مین تھے، فرماتے ہین کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسّی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے، آنحضرت صلعم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا، اسی حالت مین آپ ایک دفعہ زین سے جھکے، مین نے پکار کر کہا آپ سربلند رہین خدا نے

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ تذکرۂ عبداللہ بن مسعودؓ، [2] بخاری ج ۲ ص ۵۶۵

آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔" فرمایا "مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو" میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہوگئیں پھر ارشاد ہوا "مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟" میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انھیں آواز دو، چنانچہ میں نے چیخ کر پکارا تو یکایک سب کے سب پلٹ پڑے اس وقت ان کی تلواریں نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جسطرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بنگیا، مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا[۱]،

جنگ یرموک رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہدِ فاروقؓ میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگِ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا، ۱۵ھ میں گوشۂ خلوت سے نکلکر رزمگاہِ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدانِ یرموک کی فیصلہ کُن جنگ میں سرگرم پیکار ہو کر خوب دادِ شجاعت دی[۲]،

عہدۂ قضاء ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدۂ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والیِ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمانِ تقرری کے الفاظ یہ ہیں،

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا وابن مسعود معلما و وزیرا وقد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم وانھما لمن النجباء من اصحاب محمد من اھل بدر فاسمعوا لھما	میں نے تمپر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں آنحضرت صلعم کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے انکو سمجھا

[۱] مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۳ [۲] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۲۵۹

واطیعوا واقتدوا بہما وقد آثرتکم ــ وطاعت کرو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے

بابن ام عبد علی نفسی[1] ــ لیے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، اس طویل عرصہ میں بساطِ سیاست پر گوناگوں انقلاب ہوئے، خلیفۂ دومؓ نے وفات پائی، خلیفۂ ثالثؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنانِ حکومت اہل کوفہ کی شکایت واحتجاج پر یکے بادیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی، لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی،

فطری رحمدلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو، درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہوجائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا درحقیقت نظامِ حکومت کے ارکان واساطین کو متزلزل کردینا ہے، اس بنا پر وہ اثباتِ جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی وشفقت کے باوجود قانونِ معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب خواری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دیدیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اسکا دل رحم وشفقت سے بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انھوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حدِ شرعی کا مستحق ثابت کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جواب ممکن نہیں، اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۸،

گئی جس نے چوری کی تھی آنحضرت صلعم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگون کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہیئے کیا تم اسے پسند نہین کرتے کہ خدا تمھین بخشدے؟"

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرمون کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤن کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایکدفعہ ان کو اطلاع دیگئی کہ مسیلمۂ کذاب کے متبعین مین سے کچھ لوگ اب تک موجود ہین جو اس کو رسول خدا کہتے ہین، حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیجکر ان کو گرفتار کرایا اور سب کی توبہ قبول کرکے چھوڑدیا، لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی، لوگون نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمۂ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلعم کی خدمت مین سفیر بنکر گئے تھے، آنحضرت صلعم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انھون نے کہا ہان، آپ نے فرمایا کہ "اگر تم سفیر نہ ہوتے تو مین تمھین قتل کرادیتا" اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہین آیا ہے تو رسول اللہ صلعم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا،

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت مین جب کوفہ سازش، فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہوگیا تو عہدۂ قضاء کے لحاظ سے قدرۃً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریان پیش آئین، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت مین ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھارہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نام ایک شخص نے اس کو قتل کرڈالا، چونکہ یہ صریحًا معاملات حکومت مین مداخلت بیجا تھی، اس لئے انھون نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیکر دربار خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد اس کو چھوڑدو اور لوگون کو سمجھادو کہ

پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، حضرت عبداللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کرکے فرمایا "صاحبو! صرف شک وشبہہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لیلو، مجرموں اور خطاکاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تمکو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں[1]"

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ وہ تخلیہ میں شراب پیتا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپکر کوئی کام کرتا ہے تو میں اسکی پردہ دری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہوکر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ "کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپکر کون کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص کے لیے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو" غرض اسی سوال وجواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے[2]

خزانہ کی افسری حضرت عبداللہؓ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ کی عظمت، وسعت وکثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپیے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی اس کے مصارف ادا کیے جاتے تھے اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵ [2] ایضاً،

ذاتی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کی اقلیم کے بادشاہ تھے دنیا کی بڑی سی بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ، احباب، افسر اور والی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اوٹھا کر کہا" اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے"

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے اس لیے حضرت عبد اللہؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا" دیکھو میرے لیے بد دعا نکرنا" بولے" خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمھارے لیے سخت بد دعا کرتا" حضرت عبد اللہؓ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانۂ امارت سے باہر نکل آئے،

اس واقعہ کی رپورٹ دربارِ خلافت میں پہنچی، تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبد اللہؓ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے[1]

معزولی حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۱۱،

عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین، تلامذہ اور اعیانِ شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمانِ عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مُصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لیجائیں، اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئیگی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے "امیرالمومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اسکی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کرکے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے[1]

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز وتکفین جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسطِ راہ میں ایک عورت کو سرگردان وپریشان دیکھکر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز وتکفین کیجئے، پوچھا کون؟ کہا ابوذر صحابی رسولؐ، آپ فدیتہ بابی وامی کہکر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد ومتقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اُٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لیے اپنا آغوشِ شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دمِ واپسین تھا، اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق ضروری ہدایات دیکر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کرکے نمازِ جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا[2]

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچکر امیرالمومنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی،

---

[1] اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن مسعودؓ،

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۶ اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کی تصریح نہیں ہے لیکن مستدرک حاکم میں صراحت کیساتھ نام موجود ہے

اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کر زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی مین بسر ہون

علالت سنہ ۳۲ھ مین جبکہ حضرت عبد اللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا، ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، مین نے گذشتہ شب کو خواب مین دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلعم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہین اور آپ سامنے حاضر ہین، اسی حالت مین ارشاد ہوتا ہے "ابن مسعود! میرے بعد تمھین بہت تکلیف پہنچائی گئی آؤ میرے پاس چلے آؤ"، فرمایا خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا "ہان"، فرمایا شاید تم میرے جنازہ مین شریک ہو کر مدینہ سے کہین چلے جاؤ گے"

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چندہی دنون کے بعد اس طرح بیمار ہوئے، کہ لوگون کو ان کی زندگی سے مایوسی ہو گئی، امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انھون نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا، اس لیے وہ اس آخری لمحۂ حیات مین عفو خواہی و عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی،

حضرت عثمانؓ: "آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبد اللہؓ: اپنے گناہون کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہین؟

حضرت عبد اللہؓ: خدا کی رحمت،

حضرت عثمانؓ: آپ کے لیے طبیب بلاؤن؟

حضرت عبد اللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا،

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کر دون؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے اس کی ضرورت نہین،

حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیون کے کام آئیگا،

حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیون کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟ مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرین، کیونکہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ "جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[1]

مذکورۂ بالا سوال وجواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت مین بھی دونون ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے، لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونون کے آئینۂ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے[2]،

وفات | حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انھون نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال واسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتین فرمائین اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر ۳۲ھ مین داعی اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو مین سپرد خاک کیا[3]، انا للہ وانا الیہ راجعون،

---

[1] یہ تمام تفصیل اسد الغابہ سے ماخوذ ہے،

[2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۱۳،

[3] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۱۳،

علم وفضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابۂ کرامؓ میں ہیں جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گیے ہیں، تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہِ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقۂ تلمذ میں داخل کرلیا، اور علم وفضل کے آسمان پر مہر منیر بناکر چمکایا،

علم کا شوق حضرت عبداللہؓ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے عرض کی، "یارسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے"، بشارت ملی

انک غلام معلم[1] — تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو،

اس شوق کا یہ اثر تھا، کہ شب وروز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر حضر، غرض ہر موقع پر ساقیِ معرفتؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخلِ حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں[2]،

رسالتمآب صلعم کی خدمت وصحبت کا اثر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھاکر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمتگذاری

[1] مسند ابوداؤد طیالسی ومسند احمد ج ۱ ص ۳۸۹ وابن سعد ودلائل ابی نعیم واسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۶ [2] مستدرک ص ۱۸۴،

کے ساتھ وہ آنحضرت صلعم کے ہمدم و ہمراز بھی تھے[1]، مخصوص صحبتون مین شریک کئے جاتے، بلا اذن تخلیہ کے موقعون پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتین سن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام[2] نے ان کو حضور کے بستر، مسواک اور وضو کے پانی والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا[2]،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہین کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنون تک (مدینہ مین) رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ صلعم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے[3]، غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا،

قرآن | قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہین کہ "ستر سورتین مین نے خاص مہبط وحی والہام کے دہن مبارک سے سنکر یاد کی تھین[4]" ان کو دعویٰ تھا کہ قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین جس کی نسبت مین یہ نہ جانتا ہون کہ کب، کہان اور کس بارہ مین اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو مین اس کے پاس سفر کرکے جاتا"، ایک دفعہ انھون نے مجمع عام مین دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہین کہ مین قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہون، گو سب سے بہتر نہین ہون"، شقیق اس جلسہ مین موجود تھے وہ کہتے ہین کہ اس واقعہ کے بعد مین اکثر صحابہؓ کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہین پایا[5]،

ابو الاحوص فرماتے ہین کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کیساتھ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۰۹ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ [4] بخاری ج ۲ ص ۷۴۸

ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان مین بیٹھے حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود نے اون کی طرف اشارہ کر کے کہا "مین نہین جانتا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے" ابو موسیٰ نے کہا "کیون نہین! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت مین حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعون مین باریاب ہونے کی اجازت تھی جبکہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے" حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مین عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہون جس دن رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو" اور سب سے پہلے ابن ام عبد کا نام لیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو مسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا "نہین وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگون کے لیے یہ ممکن نہ تھا"

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہدِ نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جسکو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انھون نے نہایت ناگواری کیساتھ اس حکم کی تعمیل کی،

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لیے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ انھون نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "ستر سے کچھ زیادہ سورتین مین نے خاص رسولِ خدا صلعم کی زبان سے سنکر یاد کی ہین، حالانکہ زید بن ثابت اس وقت لڑکے تھے اور لڑکون کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے" اس سے بڑھ کر اونکی قرآن دانی کی

لہ مسلم باب من فضائل عبداللہ بن مسعود ؓ لہ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۹

اور کیا سند ہوسکتی ہے کہ خود حضور پرنور ؐ نے ایک موقعہ پر لوگون سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیون سے سیکھو، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ[1]

تفسیر | قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعون پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت مین خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ "جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا" حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق مین برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی[2]

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولٰئک لاخلاق لھم فی الاخرۃ	بیشک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسمون کے معاوضہ مین نفع قلیل حاصل کرتے ہین انکے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہوگا

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقۂ درس مین بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول خدا صلعم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "شرک، پھر قتل اولاد، پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا" اس حدیث کو بیان کرکے انھون نے برجستہ اس آیت سے اسکی تصدیق فرمادی[3]

والذین لایدعون مع اللہ الٰھا آخر ولایقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولایزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما، (سورۂ فرقان ع ۶)	جو لوگ خدا کے ساتھ (کسی) دوسرے خدا کو نہین پکارتے اور ناحق جان نہین مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہین اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہون کا خمیازہ اٹھائیگا،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیرین حدیث و تفسیر کی کتابون مین بکثرت منقول ہین، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے،

---

[1] بخاری باب القراء من اصحاب النبی صلعم، [2] مسند ج ۱ ص ۳۷۷، بخاری ج ۲ ص ۶۵۲، [3] مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰

تفسیر بالرأی سے احتراز | محض اپنی رائے وقیاس سے آیات قرآنی کی تشریح وتفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں "یوم تاتی السماء بدخان مبین" کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ "قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لیکر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے" بولے "دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت صلعم کی بد دعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف وناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنیوالا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے[1]۔"

قرأت | قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جنکا حاصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیروی کیجائے، ایک مرتبہ وہ نماز میں سورۂ نسا تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیر الانام حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور انکی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا

اسئل تعطہ اسئل تعطہ (جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائیگا، جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائیگا)

پھر ارشاد ہوا کہ جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح ترو تازہ پڑھنا سیکھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرأۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیئے۔

---

[1] مسند ج ۱ ص ۳۸۱ و بخاری ج ۲ ص ۷۱۰

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ "رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟" بولے "مین نے کہا اے خدا مجھے ایسا ایمان عطا کر جسکو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد برین مین (حضرت محمد (مصطفےٰ صلعم) کی دائمی رفاقت نصیب کر"[1]

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع مین عموماً اس سے دل بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت صلعم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہین کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورۂ نسا پڑھکر سناؤ، مین نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو مین سناؤن! ارشاد ہوا کیون نہین! لیکن مین دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہون" غرض مین نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا، فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا "آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے"[2]

روایت مین خوف و احتیاط

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہِ نبوت مین جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت مین وہ حد درجہ محتاط تھے،

ابو عمر شیبانی کہتے ہین کہ مین ابن مسعودؓ کی صحبت مین کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انھون نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم مین رعشہ آگیا، اور کہنے لگے "آپ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مثل"[3]

عمرو بن میمون فرماتے ہین کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین میری آمد و رفت رہی، لیکن مین نے کبھی ان کو رسول خدا صلعم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے

۱؎ مسند ج ۱ ص ۴۵۴ ۲؎ مسند ج ۱ ص ۴، ۳ و بخاری ج ۲ ص ۶۵۹

۳؎ تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۴

ہوئے نہین سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقًا ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا نقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرّا اُٹھا، اورخوف دہراس سے عرق عرق ہوگئے[1]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت

شاگردون کو بھی عمومًا روایتِ حدیث مین احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تواس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسولِ خدا صلعم سب سے زیادہ مقدّس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے[2]

کثرتِ روایات کی وجہ

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ وہ مطلقًا حدیثین روایت نہین کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیرالانام کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی مین داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف واحتیاط کے باوجود صحاح ومسانید مین ان سے بکثرت روایات منقول ہین، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے، ان مین سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونون مین ہین ان کے علاوہ ۲۱ بخاری مین ہین اور ۳۵ مسلم مین ہین[3]

مذاکرۂ حدیث کا شوق

بسا اوقات وہ مذاکرۂ حدیث کے شوق مین تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہین، کہ مین کوفہ مین دوپہر کے وقت اپنے گھر مین تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی مین نے جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعودؓ تھے، مین نے کہا ابوعبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے "آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتین کرکے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلون" غرض وہ

---

[1] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۱۰ [2] مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۸۵،

[3] تہذیب الکمال ص ۲۲۳،

بیٹھ کر حدیثین بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پرلطف صحبت رہی[1]،

آداب روایت | حضرت عبداللہؓ حدیث بروایت کرتے وقت نہایت مؤدب ہتین اور سنجیدہ بنجاتے تھے، اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلعم کی زبان فیض ترجمان سے سُن رہا ہے، ایک مرتبہ انھون نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جسمین قیامت، جنت اور مومنین وسبحان رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کرکے متبسم ہوئے اور فرمایا "تم پوچھتے نہین کہ مین کیون ہنستا ہون ؟" لوگون نے کہا آپ کیون ہنستے ہین ؟ " اسلیے "اس لیے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلعم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا"[2]

فقہ | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان افاضل صحابہؓ مین ہین جو فقہ کے موسس وبانی سمجھے جاتے ہین، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمامتر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی پہلے گذر چکاہے کہ حضرت عبداللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بناپر ان کو قدرۃً ایک حلقۂ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانون مین مسائل فقہیہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج واشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطۂ عراق، فقہ مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہوگیا، اور ان کی درسگاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لیکر نکلے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ مین سے علقمہ اور اسود نے فقہ مین خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہان تک کہ انکو فقیہ العراق کا لقب ملا،

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کا نہایت کافی ذخیرہ تھا،

---

[1] مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۴۸ [2] ایضاً مسند عبداللہ بن مسعودؓ،

جو ان کو تمامتر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ مین آیا، جنھون نے اپنے علم و اجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیاے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے،

اصولِ فقہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہین، اور یہی اصولِ فقہ کے موضوعِ فن بھی ہین، ان مین سے دونون مؤخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلعم کے بعد پیش آئی کیونکہ ہبوطِ وحی و الہام کی موجودگی مین اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی؛

اجماع اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسکو مستحسن قرار دیا اور فرمایا

ما رآی المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رآوا سيئا فهو عند الله سيئ[1] — جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسکو برا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے،

اور یہی خیال درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے،

قیاس اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیعِ فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیون کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مین تمام جزئیات مذکور نہین، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لیے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہان اس کی قوتِ اجتہاد و تفریعِ مسائل و استنباطِ احکام کا امتحان ہوتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلون کے لیے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے

[1] مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۷۹،

علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جس سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا،

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدِ راہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیجکر احرام کھولدے، اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلعم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ "مجبوری" کو علت مشترکہ قرار دیکر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لیے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی" بولے "تم صرف قربانی بھیجکر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو"[1]

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے، (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا،

علمِ فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی اس کو وراثت میں ترجیح دیجائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لیے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونوں مؤخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس صورت میں ازدیادِ قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح

[1] موطا امام محمد ص ۲۳۳،

دیتے ہین، لیکن جمہور علماے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونون مین کوئی تفریق نہین کرتے[1]

اجتہاد مذکورۂ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیان صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ناخنِ اجتہاد سے حل ہوئین، آپ استنباطِ احکام وتفریعِ مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ مین ناسخ ومنسوخ، موقت ومؤبد کی تفریق کرکے صحیح استنباطِ حکم کی راہ پیدا کرلیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتا آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لیے جس کا شوہر مرگیا ہو، عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید مین عدت کے متعلق مختلف احکام ہین سورۂ بقرہ مین عام حکم یہ ہے،

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا	تم مین سے جو لوگ مرجائین اور بیویان چھوڑین تو وہ (عورتین) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھین،

اور سورۂ نسار مین خاص حاملہ عورتون کے لیے جنکے شوہر مرگئے ہون یہ حکم ہے،

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن	اور جو عورتین حاملہ ہون ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کرین،

اس بنا پر حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جسمین زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانۂ عدت قرار دیا جائے، تاکہ دونون آیتون کا توافق پیدا ہوجائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق مین سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نسار کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضعِ حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ مین اس کے لیے مباہلہ کرسکتا ہون کہ سورۂ

[1] التوضیح والتلویح،

بقرہ سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے[1]،

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں مین مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے، یا نہین؟ آج تک احناف اور دیگر فرق اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآرا بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہین ہونے پاتا، حضرت عبداللہؓ کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہوچکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتا، اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا، انھون نے جواب دیا،

انصت فان فی الصلوٰۃ شغلا سیکفیک ذالک الامام[2]

خاموش رہو کیونکہ نماز مین توجہ قائم نہین رہتی، امام کا پڑھنا تمھارے لئے کافی ہے،

اس جواب مین درحقیقت حسب ذیل تین دلیلون کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لیے مخالفین کے مقابلہ مین بمنزلہ سپر ہے،

(۱) اذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا،

جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز مین توجہ قلب باقی نہین رہتی،

(۳) آنحضرت صلعم کا فرمان ہے من کان لہ امام فقرأۃ الامام قرأۃ لہ، یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے،

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتا آیا کہ ایک میت نے ورثہ مین ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ انھون نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہین، اور پوتی محروم الارث ہے، حضرت ابوموسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتا، حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی خدمت مین آیا، انھون نے

[1] التوضیح والتلویح [2] موطا امام محمد ج ۱ ص ۹۶،

فرمایا کہ اگر میں رسول خدا صلعم کے فرمان پر ابو موسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوگیا، بیشک لڑکی نصف پائے گی لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لیے ایک سدس پوتی کو بھی ملیگا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے[1] یہ جواب حضرت ابو موسیٰ کو معلوم ہوا تو فرمایا "جبتک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں" چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول بہ ہے،

معاصرین فضل و کمال کے معترف تھے! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے تمام صحابۂ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے،

کنیف ملی علما[2]، (مستدرک حاکم، مناقب) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے،

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ، حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انھوں نے پوچھا "کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟" بولے "ہاں" فرمایا "تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعود کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں[3]"

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، انھوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی، حضرت عبداللہؓ موجود تھے، انھوں نے (روک کر) کہا آپ یہ کیا فتوی دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعتراف فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا "جب تک یہ حبر (یعنی عالم متبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو[4]"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۸ [2] بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۱۰ [4] موطا امام مالک ص ۲۲۳

کہا "تہ بند ذرا اوپر کرکے باندھو" اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہ بند اوپر کرو، بولے "مین تمھارے جیسا نہین ہون، میری ٹانگین پتلی ہین" حضرت عمرؓ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعود جیسے شخص سے منہ زوری کی[1]

نامعلوم مسائل مین رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل مین کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردون کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے، یا میرا خیال یہ ہے، بلکہ صاف کہدیا کرو کہ مین نہین جانتا[2]

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ مین ہین بیان کرتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ علماء باقی نہ رہین گے اور لوگ ایسے جاہلون کو سردار بنالین گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کرین گے[3]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس مین مہر کا کوئی تذکرہ نہین کیا گیا، یہان تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہین؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لیے لوگون کے ضد و اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب نہایت مجبور کیے گئے تو بولے "میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت مین بیٹھنا چاہیئے" پھر فرمایا "اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے، اور اگر غلط ہے تو میری

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰ [2] اعلام الموقعین ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۴۶

طرف سے، اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے" اس وقت حاضرین مین دو صحابی حضرت جراح اور حضرت ابوسنان موجود تھے، انھون نے اٹھ کر کہا، "ہم گواہی دیتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے بروع بنت واشق کے حق مین بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا" اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی[1]

فتوی سے رجوع کرنا اگر وہ کبھی کوئی فتوی دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہوجاتا تو فوراً اس سے رجوع کرلیتے، ایک مرتبہ کوفہ مین ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے؟" حضرت عبداللہؓ نے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیون کے سوا اور تمام صورتون مین ناجائز ہے، چنانچہ انھون نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتوی سے رجوع کرکے فسخ نکاح کا حکم دیا[2]

معاصرین سے استفادہ نامعلوم مسائل مین ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے مین عار نہ تھا، ایک مرتبہ انھون نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کیجائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل مین شک تھا اس لیے انھون نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہین ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ[3]

امام محمد نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ مین سے چھ شخص مجتہد تسلیم کیے جاتے تھے، اور وہ باہم مسائل فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ۔ ابی بن کعبؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ، امام شعبی کا

[1] ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا [2] موطا امام مالک ص ۱۹۰ [3] موطا امام محمد ص ۳۴۲

بیان ہے کہ عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہین،

ارباب علم کی قدر شناسی | حضرت عبداللہؓ ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ مین رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ مین تو عمر کا پلہ بھاری رہیگا"، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر سمجھتا ہون[1]،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہین، اگر وہ (عہد رسالت مین) ہم لوگون کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا[2]"

علقمہ ان کے شاگرد تھے، انھون نے محض اپنی ذہانت و کثرت معلومات کے باعث ان کے حلقۂ درس مین ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہین ہین[3]"،

احترام خلافت | منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور اگر کبھی خلیفۂ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے. کہ اس سے امت مرحومہ مین تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ مین دو کے بجائے چار رکعتین ادا کین، حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے، انا للہ وانا الیہ راجعون، مین نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ دو رکعتین پڑھین، ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد مین بھی دو ہی رکعتین تھین، اب یہ کیا انقلاب ہے[4]؟ لیکن عملاً انھون نے چار ہی

---

[1] استیعاب تذکرۂ عمر فاروقؓ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۵

[3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۸ [4] بخاری ج ۱ ص ۱۴۷،

رکعتیں پڑھیں، لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے[1]

درس و تدریس | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا جن میں سے علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ، عبیدہ، حارث، قاضی شریح اور ابووائل نہایت نامآور ہوئے، خاصکر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہتے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا،

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے، اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا، علقمہ نے مجھکو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کر دوں[2]

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقۂ درس کو دیکھکر کہا "ابوعبدالرحمٰن! کیا آپکی طرح آپکے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟" بولے "اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں" حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا انھوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھکر سنائی، حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھکر کہا، "کیا رائے ہے؟" انھوں نے نہایت تعریف کی[3]

---

[1] مسند اعظم صفحہ ۸۶ [2] مسند احمد ج ۱ صفحہ ۴۶۱،

[3] بخاری ج ۲ صفحہ ۶۲۳،

معتقدین کا ہجوم | تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا شقیق کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد مین بیٹھکر عبد اللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے"[1]

طارق بن شہاب کہتے ہین کہ ہم لوگ عبد اللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبد الرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا، انھون نے جواب دیا "صدق اللہ ورسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے" یہ کہکر داخل حرم ہوئے ہم لوگون کو اس جواب پر سخت حیرت تھی باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ مین نے کہا کہ مین پوچھونگا، غرض وہ تشریف لائے اور مین نے پوچھا بولے "رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیون کو سلام کرنا، تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے"[2]

قوت تقریر اور وعظ و پند | تقریر و خطابت مین خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے ایک مختصر تقریر فرمائی پھر حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونون نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انھون نے کھڑے ہوکر حمد و نعت کے بعد کہا،

ایہا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان ھذا نبینا (و اومأ بیدہ الی النبی)	صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے، اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۷۷ ۳ [2] مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۷

صلی اللہ علیہ وسلم) رضینا ما رضی (کرکے) ہمارے نبی ہیں، خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ
اللہ لنا و رسولہ، السلام علیکم ہمارے لیے پسند کیا ہے ہم نے بھی اسکو پسند کیا، السلام علیکم،

آنحضرت صلعم نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا "ابن ام عبد نے سچ کہا"[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ میں عموماً توحید، نماز باجماعت اور خوف خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ میں انھوں نے فرمایا کہ "ایک شخص نے جس کے نامۂ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا، لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا "تو نے اپنی لاش کیساتھ ایسا کیوں کیا؟" بولا "خدایا تیرے خوف اور ڈر سے" اس گذارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخشدیا گیا"[2] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمال حسنہ کی روح ہے،

کثرت وعظ سے احتراز وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کے ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لیجاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر، صاف و سادہ لیکن مؤثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا، "صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۳، [2] مسند احمد ج ا ص ۳۹۸

نہین آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ صلعم ہم لوگون کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے[1]،

یون تو ان کا دولتکدہ ہر وقت طالبانِ علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت مسئلہ مسائل کے لیے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہین کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تحلیل مین مصروف تھے طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا مین نے رات نماز مین پوری مفصل پڑھین، عبداللہ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہونگی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہین، جنکو آنحضرت صلعم پڑھا کرتے تھے آپ دس مفصل اور دو سورتین آل حٰم کی پڑھتے تھے[2]،

اخلاق | سنت نبوی کی پیروی کے شوق مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و طرزِ معاشرت مین ایک گونہ حضرت خیر الانام صلعم کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر کہا، آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت مین آنحضرت صلعم سے قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے کچھ حاصل کرین، بولے "عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ آنحضرت صلعم کی ہدایت، حسنِ خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستون مین سے جو لوگ موجود ہین وہ جانتے ہین کہ بارگاہِ نبوت مین تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے[3]"

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے چند دیگر

---

[1] مسند احمد ج ا ص ۳۷۷،

[2] مسلم ج اول صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ مصر اس حدیث مین اور واقعات بھی ہین، مگر ان کو تعلیم سے تعلق نہین ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیئے [3]

جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ،

احباب ان سے ملنے آئے حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا "امیرالمومنین! ہمنے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی، پرہیزگار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہمنشین نہین دیکھا" حضرت علیؓ نے فرمایا، "بیشک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تمنے جو کچھ تعریف کی مین ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہون، انھون نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے"[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، انھون نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا گھر مین پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہان سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت سست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہؓ یہ سنکر تشنہ لب واپس چلے آئے، دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انھون نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی، بولے "خادمہ نے جب پانی لانے مین دیر کی تو تمھاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور رہتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے، مین نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ مین اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہونگا"[2]

ایک بار انھون نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہو گیا، حضرت عبداللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر

---

[1] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۱۰، [2] مسند احمد ج ا ص ۴۰۸

کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک، دو دو درہم کر کے ان کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کر دونگا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا[1]

تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھکو اکثر اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمنشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا[2]

حضرت عثمانؓ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا، وفات کے وقت انھوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا، لیکن حضرت عبداللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا، بولے "کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[3]

حضرت عبداللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا انھوں نے کوفہ میں موضع الزیادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لیے خالی کر دیا تھا[4]

مذہبی زندگی عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جبکہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھکر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے[5] رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابو عقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں "خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا" میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے، "رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے" اور اوسکی

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۹۶ [2] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود [3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۹ [4] تاریخ بخاری ص ۲۸۴

[5] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [6] مسند ج ۱ ص ۴۰۶

علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس مین شعاع نہین ہوتی" چنانچہ آج مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا[1]،

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت مین مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل مین مصروف رہتے تھے،

ابو وائل راوی ہین کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے، کہ اتنے مین لونڈی نے آکر کہا آتے کیون نہین، ہم لوگ گھر مین گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگون کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگون نے کہا کسی نے نہین، خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہون، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح مین مشغول ہو گئے جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح مین مشغول گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہین کہ میرے خیال مین یہ بھی کہا تھا" اور ہمارے گناہون کے بدلے مین ہم کو ہلاک نہین کیا[2]"،

---

[1] مسند احمد ج ۱ صفحہ ۴۰۶،

[2] مسلم ج اول صفحہ ۳۰۵ باب ترتیل القراۃ واجتناب الھذ،

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، مین نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا "والدین کے ساتھ نیکو کاری" مین نے کہا "پھر؟" حکم ہوا" راہ خدا مین جہاد کرنا" اس کے بعد خاموش ہوگیا ہان اگر مین اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے[1] غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو مسجد پہنچنے مین دیر ہوگئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہوکر کہلا بھیجا" آپنے ایسا کیون کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انھون نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے، اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل مین مصروف رہو اور لوگ نمازمین تمھارے منتظر رہین[2]

رمضان کے علاوہ ہفتہ مین دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزون کے لیے مخصوص تھے، عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن بن یزید کہتے ہین کہ مین نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہین دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیون نہین رکھتے؟ بولے "مین روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہون، اگر روزے رکھون گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی"[3]

---

[1] بخاری ج ۱ صفحہ ۳۹۰،

[2] مسند احمد ج ۱ صفحہ ۴۵۰،

[3] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ صفحہ ۱۰۹،

خشیتِ الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا"[1]

خانگی زندگی

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے، تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہؓ کھکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڈھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا، عبداللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے، وہ گلے کی طرف دیکھکر پوچھا "یہ دھاگا کیسا ہے"؟ میں نے کہا "تعویذ ہے"، انھوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا "عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے رسول اللہ صلعم سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں"۔ میں نے کہا "آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا" بولے "یہ سب عمل شیطانی ہے تمھارے لیے صرف رسول اللہ صلعم کی یہ دعا کافی ہے"[2]،

اذھب الباس رب الناس اشف و	خوف دور کر اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے
انت الشافی لاشفاء الا شفاءک	والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں وہ شفا ایسی ہے
شفاء لا یغادر سقما	جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی،

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پرتکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا "خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۱۰، [2] مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱ و ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۶، [3] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۱۲

مقتدا و پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے "میں نے رسول اللہ صلعم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا[1]"

وظیفہ | حضرت عبد اللہؓ کے لیے بیت المال سے پانچہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالثؓ کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لیے واگذار کرا دیا، اس طرح ان کے پسماندوں کو یکشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انھوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے تھے[2]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ نہایت گندم گون، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم و خوبصورت زلف، حضرت عبد اللہؓ اس کو اسطرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا،

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبد اللہؓ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلعم کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھکر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت صلعم نے فرمایا "تم ان پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہونگی[3]"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نام، نسب، خاندان | عبد اللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبد اللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر

---

[1] مسند اعظم ص ۲۰۰ [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۱۳،

[3] ایضاً صفحہ ۱۱۰،

بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب،

حضرت ابو موسیٰؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلۂ اشعریین سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کی والدہ ظبیہ بنت وہب قبیلۂ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچکر وفات پائی[1]

اسلام | ساقی توحیدؐ کے صلائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کرلیے تھے، لیکن تشنہ کامان حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلیں طے کرکے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہوگئے، وہ مکہ میں قبیلۂ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کرکے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے[2] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ مژدۂ جانفزا سنائیں،

ہجرت | حضرت ابو موسیٰؓ اشعری خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کرلی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لیکر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان وباد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچادیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے سفر دگان اسلام جو یہاں ہجرت کرکے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰؓ بھی اس قافلہ میں شریک ہوگئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جبکہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کرکے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابو موسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا[3]

غزوات | حضرت ابو موسیٰؓ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں شریک تھے، ہنو ہوازن رزمگاہِ حنین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵ [2] ایضاً [3] بخاری ج ۲ ص ۶۰۸،

سے بھاگ کر وادی اوطاس مین پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت صلعم نے حضرت ابو عامرؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصال کامل پر مامور فرمایا، انھون نے اوطاس پہنچکر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیون کو شکست فاش دی لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم مین شریک تھے، فرماتے ہین کہ مین نے بڑھ کر اون سے پوچھا "یا عم! کس نے آپکو زخمی کیا؟" انھون نے اشارہ سے بتایا تو مین اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھکو دیکھکر بھاگ کھڑا ہوا لیکن مین تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا "کیا تجھے شرم نہین آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہیگا؟" غرض وہ (ان غیرت انگیز جملون سے جوش مین آکر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہان تک کہ مین نے اس کو قتل کیا اور ابو عامر کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپکے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا انھون نے حالت نزع مین حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا "جان برادر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے دعاے مغفرت فرمائین"۔ اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپرد خاک کرکے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر میدان جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرور کائنات صلعم نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا پھر دونون ہاتھ اٹھا کر دعا کی "اے خدا! ابو عامر کو بخشدے، اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما" حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے لیے بھی" فرمایا "اے خدایا! عبد اللہ بن قیس کی خطائین بخشدے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ

فرمایا؛

۹ھ میں غزوۂ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربارِ نبوت سے ان کے لیے سواریوں کا انتظام کریں، اتفاق سے آنحضرت صلعم اس وقت حالتِ غیظ میں تھے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی "یا رسول اللہ! میرے ساتھیوں نے مجھکو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں" آنحضرت صلعم غصہ میں بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا "واللہ! تمھیں کوئی سواری نہ دونگا" حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا صلعم ان سے ناراض ہیں، نہایت غمزدہ واپس آکر اپنے ساتھیوں کو اسکی اطلاع دی لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے "عبد اللہ بن قیس! کہاں ہو؟ چلو رسول خدا صلعم یاد فرماتے ہیں" وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لیجاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ "رسولِ خدا صلعم نے یہ دو انٹ تمھاری سواری کے لیے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے رسول اللہ صلعم کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ نہ خیال کرو کہ میں نے پہلے جو کچھ آکر کہا تھا وہ دل سے گڑھ کر کہا تھا" لوگوں نے کہا "خدا کی قسم ہم آپکو سچا سمجھتے ہیں، آیندہ جو آپ کی خوشی ہو" غرض انھوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرا دی؛[۲]

ولایتِ یمن | تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ [۲] ایضاً ج ۲ ص ۷۳۳؛

دربار نبوت مین حاضر ہوئے اور آنحضرت صلعم سے کسی عہدہ کی خواہش کی،
اپنے ساتھ لے کر ... رہے تھے، اس سوال پر دفعتہً مسواک رک گئی، اور حضرت ابو موسیٰؓ کی طرف
آپ مسواک ف... موسیٰ! ابو موسیٰ!" انھون نے عرض کی "یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات
دیکھ کر فرمایا" ... کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ مین ان کے دل کے حال سے آگاہ
کی جس نے آپ ... تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کرین گے" ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی
نہ تھا اور نہ یہ جا... ہیگا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کرونگا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ مین نے
عہدہ کی خواہش ... ل مقرر کیا"[1]

تم کو وہان کا عا... حصون پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس مین جند اور عدن وغیرہ دور کے
یمن ... تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیرین یمن؛ اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ
اضلاع شامل ... دوسرے پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مامور ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان دونو
کا تقرر ہوا، او... وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی،

کو رخصت کر... وبشرا ولا تنفرا و ... یعنی ملک والون سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا
یسرا ولا تعس... لوگون کو خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا
تطاوعا،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یارسول اللہ! ہمارے ملک مین جو سے ایک
قسم کی شراب بنا... ئی جاتی ہے، اس کو "مزر" کہتے ہین نیز شہد سے ایک طرح کی شراب
... بتع" کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو
ہوتی ہے جو ...
نشہ لائے حرام ہے"[2]

حضرت ابو موسیٰؓ چونکہ اپنے وطن مین گورنر ہو کر آئے تھے جہان پہلے سے ان کا

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۳ [2] بخاری کتاب المغازی،

اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃً انھون نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے
حضرت معاذ بن جبلؓ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونون بزرگ سرحد پر آکر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کرکے تبادلہ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگون کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونون ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہین، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ عبداللہ بن قیس! یہ کون ہے؟ بولے "یہ مرتد ہوگیا ہے" انھون نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ "یہ اسی لیے گرفتار ہوکر آیا ہے، آپ گھوڑے سے اتر آئیے" بولے جب تک وہ قتل نہ ہوگا، مین نہ اترون گا، حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ "آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہین"؟ بولے کہ رات، دن مین جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہون" پھر پوچھا کہ آپ کس طرح تلاوت کرتے ہین؟" بولے کہ "مین رات کو ایک نیند سوکر اٹھ بیٹھتا ہون اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہون[1]"

حجۃ الوداع مین شرکت سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلعم نے آخری حج فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے شرکت کے لیے آئے، آنحضرت صلعم نے پوچھا "عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟" عرض کی "ہان! یا رسول اللہ" فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے "مین نے کہا تھا، کہ جو رسول اللہ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے" ارشاد ہوا کہ "قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟" عرض کی "نہین" حکم ہوا کہ "تم طواف اور سعی کرکے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے کہ

[1] بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن [2] بخاری ج ۲ ص ۶۲۳

حجِ قران کی صورت مین قربانی لانا ضروری تھا[1]،

یمن مین فتنہ وفساد | حضرت ابوموسیٰؓ حج سے فارغ ہوکر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہان اسود عنسی کی ادعاے نبوت نے بہت جلد تمام ملک مین شورش و بغاوت پھیلادی، یہان تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے مرکزِ حکومت "مارب" چلے آنے پر مجبور ہوئے لیکن یہ بھی زیادہ دنون تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخران دونون کو حضرموت مین پناہ لینی پڑی[2]،

گوابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کردیا، تاہم آنحضرت صلعم کی وفات سے دفعتہً پھر ارتداد وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک زبردست مہم بھیجکر از سرنو تسلط قائم کردیا، اور اس طرح یمن کے امرار اور حکام پھر اپنے اپنے عہدون پر واپس آگئے، حضرت ابوموسیٰؓ بھی حضرموت سے اپنے دارالحکومت "مارب" واپس آئے اور خلیفۂ دوم کی ابتداے خلافت تک نہایت تدبر وجانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے،

فتحِ نصیبین | حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت مین جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد وقاصؓ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی شوقِ جہاد مین عہدۂ امارت سے مستعفی ہوکر اس فوج کشی مین شریک ہوئے،

عراق کا اکثر حصہ فتح کرلینے کے بعد حضرت سعد وقاصؓ نے ۱۸ھ مین دریاے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابوموسیٰؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انھون نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی[3]،

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۲۴، [2] تاریخ طبری ص ۱۸۵۲ [3] ایضاً صفحہ ۲۵۰۶

ولایت بصرہ | اسی سال دربارِ خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:

امابعد فانی قد بعثت اباموسیٰ امیرا	مین نے ابوموسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور
علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم ولیقاتل	کا حق دلائین، تمہارے دشمنون سے لڑین، ذمیون کی حفاظت
بکم عدوکم ولیدفع عن ذمتکم ولیحصی	کرین، تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دین، پھر اس کو تم مین تقسیم
لکم فیئکم ثم لیقسمہ بینکم ولینقی لکم	کرین اور تمہارے راستون کو تمہارے لئے صاف رکھین

طرقکم۔[1]

فتح خوزستان | بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، ۱۶ھ مین حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوجکشی کی تو یہان کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہؓ وہین رک گئے ۱۷ھ مین ان کی جگہ پر حضرت ابو موسیٰؓ آئے، اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انھون نے لشکر کشی کی اور اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجرین زیادؓ جو ایک معزز افسر تھے یہان ایک معرکہ مین شہید ہوئے، اور قلعہ والون نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا، حضرت ابو موسیٰؓ حضرت مہاجرؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے مناذر کو سر کر لیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائین، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا، رئیس نے

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۵۳۲،

ایک ایک کرکے سو آدمیون کو پیش کیا اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار مین خود اپنا نام نہین لیا، چنانچہ جب سو آدمیون کی تعداد پوری ہو گئی، تو انھون نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا،

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزدگرد تو جوان شہنشاہِ ایران اس وقت قم مین مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰؓ کی فتوحات کی خبرین پہنچین تو اس نے اپنے مامون ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لیے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچکر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک مین جوش پیدا کرکے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہان سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیون کے ساتھ مدد کو بھیجین، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ مین یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب مین حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لیکر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لے کر جلولا پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابو موسیٰؓ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا،

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰؓ کی تمام کوششین بے نتیجہ رہین، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان اور مال کو امن دیا جائے تو مین شہر پر قبضہ کرا دون، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر دجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ خاص شہر مین داخل ہوا، اشرس کے منھ پر چادر ڈال دی، اور

کہا کہ نوکر کیطرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچون سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل مین آیا، شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہون تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو بہادرون نے بڑھکر کہا خدا کی راہ مین ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ شہر مین داخل ہوئے اور پہرہ والون کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیے ادھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تمام فوج کیساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر مین ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ مین پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھکر کہا کہ میرے ترکش مین اب بھی سو تیر ہین، اور جبتک اتنی ہی لاشین یہان نہ ڈھیر ہو جائین مین گرفتار نہین ہو سکتا، تاہم مین اس شرط پر اتر آتا ہون کہ تم مجھکو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ بھیجدیا[۱]۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اسکا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والون نے خود شہر کے دروازے کھولدیے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار مین مصروف ہوئے، مسلمانون کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انھون نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگون سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خودرائی حجت نہین ہو سکتی، شہر والے

[۱] طبری ۲۵۵۵،

کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربارِ خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جس کو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے[۱]
اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان مین اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست مین ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہان حضرت ابوموسیٰؓ عہدۂ امارت پر سرفراز تھے) دشمنون سے بالکل محفوظ ہوگیا،

معرکۂ نہاوند | خوزستان کی شکست سے متأثر ہوکر ۲۱ھ مین ایرانیون نے نہاوند مین ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریان کین، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائین، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کرکے واپس آئے[۲]

تبادلہ | بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی وساطت سے دربارِ خلافت مین یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ مین سے رامہرمز، ایذج اور ماہ یا ماسپذان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائین لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح مین برابر کے شریک تھے، انھون نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے درخواست کی کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ مین شامل کرنے کی کوشش کرین، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ مین بالکل غیرجانبداری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ مجھے ان جھگڑون مین پڑنے کی کیا ضرورت ہے[۳]
غرض حضرت ابوموسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہل کوفہ

---

[۱] طبری ص ۲۵۶۸ [۲] تاریخ طبری ص ۲۶۰۰

نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتون کے بعد ان کو معزول کرا دیا حضرت عمرؓ نے کوفہ والون سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والون کی حمایت کی تھی اس کے لحاظ سے انھون نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ مین بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے، لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ مین پھر بصرہ منتقل کیے گئے[1]،

الزام | اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربارِ خلافت مین حسب ذیل شکایتین پیش کین،

(۱) ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ مین سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے ہین

(۲) انھون نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کردی ہے، اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے

(۳) انھون نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے،

(۴) عقیلہ نام ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونون وقت نہایت عمدہ غذائین بہم پہنچائی جاتی ہین، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین،

حضرت عمرؓ نے ان تمام شکایتون کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دارالخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انھون نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر وسیاست ہے، اس لیے مین نے اس کو اپنا مشیرِ کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا، اس لیے انھون نے خود حکامِ بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیرِ کار بنائین، تیسرے الزام کے جواب مین حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو مین نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ میری ہجو نہ کہے،

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۸،

لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمایش کے بعد ان کو رخصت کر دیا[1]،

فتح اصفہان حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ مین اصفہان پر فوجکشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ مین داخل کر دیا[2]،

اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا، لیکن کچھ دنون کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے،

تعمیر نہر ابی موسیٰ بصرہ مین لوگون کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت مین اسکی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریاے دجلہ سے ایک نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو اب تک "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے،

اخیر ذیحجہ ۲۳ھ مین خلیفۂ دومؓ نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب مین عہد فاروقی کے اکثر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ مین عہدۂ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی[3]،

معزولی ۲۹ھ مین کردون نے بغاوت کر دی، حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد مین ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا مین پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جنکے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۱۱ [2] ایضاً ۲۷۱۰ [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۶۳،

ابو موسیٰ رضؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیئے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ رضؓ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھکر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر اعتراض کیا،

ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہِ خدا میں ان سے کام نہ لیں لیکن درحقیقت خلیفہ سوم رضؓ کے عہدِ خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دارالخلافہ کی راہ لی اور دربارِ خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا[1]،

امارتِ کوفہ سنہ ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پھر سعید بن العاص رضؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لیے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا، وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دورِ فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ سنہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آگیا،

خانہ جنگی سے اجتناب حضرت عائشہ رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے خلیفہ ثالث رضؓ کے قصاص اور

---

[1] تاریخ طبری ص۲۸۲۸؛

مطالبۂ اصلاح کا علم بلند کرکے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے چلکر مقام ذی قار مین آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہان لوگون کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کرین، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسجد مین ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلعم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اسلیے اسلحہ بیکار کر دو اور عزلت نشین ہوکر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ مین سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے[1]، اسی اثنا مین حضرت امام حسنؓ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہوکر کہا "آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے" وہ نہایت سکون و خاموشی کیساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤن مین جاکر گوشہ نشین ہوگئے،

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا اس کو انھون نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا، جنگ جمل مین عرب کے ہزارون گھر بے چراغ ہوگئے، اور میدان صفین مین حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانون کا خون پانی کی طرح بہا دیا،

حکم مقرر ہونا معرکہ صفین مین جب امیر معاویہؓ کے حامیون نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزون پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کرکے عجیب و غریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا خود آپکی فوج مین پھوٹ پڑ گئی انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محول ہوا، امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا، اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونون حکم ایک مقررہ تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس

[1] بخاری کتاب الفتن،

اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انھون نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض اور عمرو بن العاص رض سے علحدہ علحدہ گفتگو کرکے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ دونون کسی امر پہ متفق نہین ہوسکتے کیونکہ اگر ایک طرف کامل غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونون حکم باہم مشورہ کے لیے گوشۂ خلوت مین مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰ رض نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانون کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنانِ خلافت کسی غیر جانبدار کے ہاتھ مین دیدی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہوجائے گا، چنانچہ دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابو موسیٰ رض: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونون میسر آئے؟

عمرو بن العاص رض: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ رض: عبداللہ بن عمر کو منصبِ خلافت پر متمکن کرنا چاہیئے، کیونکہ انھون نے ان خانہ جنگیون مین کسی طرح حصہ نہین لیا ہے،

عمرو بن العاص رض: معاویہ مین کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہین کہ عثمان رض مظلوم شہید ہوئے، معاویہ ان کے قصاص کے دعویدار ہین، ام المومنین ام حبیبہ رض ان کی بہن ہین، اور خود انکو رسول اللہ صلعم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے،

ابو موسیٰ رض: معاویہ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا وہ استحقاقِ خلافت کے لیے کافی نہین، اگر فضل و شرف ہی پہ معیار ہو تو علی رض سے بڑھکر کون ہے؟ رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لیے معاویہ کو خلافت کے معاملہ مین مہاجرین اولین پر ترجیح نہین دیجاسکتی، ہان اگر

تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل و عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمرو بن العاصؓ: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظرِ انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں"

ابو موسیٰؓ: بیشک وہ صاحبِ فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے،

عمرو بن العاصؓ: ابو موسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے،

ابو موسیٰؓ: عمرو! تمہارا برا ہو، شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے"

عمرو بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰؓ: ہمارا خیال ہے کہ علی اور معاویہ دونوں برطرف کئے جائیں، اور مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے، کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے،

عمرو بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس آکر کہا، خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابو موسیٰؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انھوں نے کہا

کی فریب کاریوں کی کیا خبر تھی، بولے "ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں"۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھکر فیصلہ سنا دو" بولے "میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھسے افضل اور بڑے ہیں"۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پر ان کا یہ افسون چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا "صاحبو! ہمنے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جسکو چاہے اپنا امیر بنائے"۔ ابو موسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اترآئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا "صاحبو! علی کو ابو موسیٰ کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"۔

حضرت ابو موسیٰؓ نہایت متقی، پرہیز گار اور نیک نفس بزرگ تھے اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے (انما مثلك كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث الایہ) عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا "اور آپ پر چارپایہ بر و کتابے چند کی مثل صادق آتی ہے، (مثلك كمثل الحمار يحمل اسفارا)

وفات | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں، اور بعض کوفہ لیکن مرجح

مکہ کی روایت ہے، بہرحال باختلاف روایت ۴۲ھ ۴۴ھ یا ۵۲ھ مین بیمار پڑے، اور بروایت صحیحہ ذیحجہ ۴۴ھ مین وفات پائی[1]، آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، توجس عورت کی گود مین سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ صلعم نے برات کی ہے، اس سے مین بھی بری ہون، جیب وگریبان پھاڑنے والی، نوحہ وبکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتون سے آپ نے برات ظاہر کی ہے[2]،

اس کے بعد کفن ودفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتین کین کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا، جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور مین نوحہ وبین کرنے والی، جیب وگریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتون سے بری ہون[3]، وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرکے اپنے اصلی نشیمن مین پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی،

حلیہ | پستہ قد اور لاغر اندام تھے،

اولاد | وفات کے بعد متعدد نسلی یادگارین چھوڑین، نام یہ ہین، ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ[4]،

ذریعۂ معاش | ابتدا مین تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمین انکی افسری مین سر ہوئین، مدتون تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۲۱، [2] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [3] مسند احمد بن حنبل ج۴ ص۳۹۷، [4] تہذیب التہذیب ج۵ ص۳۶۲،

مین دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے،

فضل و کمال

حضرت ابو موسیٰؓ ان مخصوص صحابہؓ مین تھے جنکو بارگاہِ رسالت مین خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا اس لیے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیون مین سے ایک تھے، جنکو خود عہدِ رسالت مین مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی[1]

اسود تابعی کا بیان ہے کہ مین نے کوفہ مین حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہین دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ "ابو موسیٰ سرتاپا علم کے رنگ مین رنگے ہوئے ہین[2]"

اہلِ علم سے اکثر ان کی علمی صحبتین اور علمی بحثین رہتی تھین جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یون تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی،

ایک مجلس مین تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابو موسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہین، خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اوّل ص۲۱ [2] ایضاً صفحہ۲۲،

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا تو پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیبًا — پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

حضرت عبداللہؓ نے کہا "اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دیدی جائے تو سردیوں کے موسم مین جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفا کرنے لگین گے" اس پر شقیق (راوی) بولے "کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہین، حضرت عبداللہؓ نے کہا ہان، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا "تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انھون نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا نہین سنا" کہ ان کو آنحضرت صلعم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ مین غسل کی ضرورت پیش آگئی، اور پانی نہ ملا تو انھون نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس ہوکر آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا" اس پر عبداللہؓ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہین معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا"[1]

ایک مرتبہ دونون مین حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا "آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی"[2]

اشاعتِ علم علم کی اشاعت اور اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے، ایک مرتبہ خطبہ مین لوگون سے خطاب کرکے کہا کہ جس شخص کو خدا علم دے اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیون کو بھی اسکی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے[3]

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۹۲، [3] ابن سعد جزو ۴ ق اوّل ص ۸۱،

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقۂ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگون کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا،

"لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے[1]"

جہان کہین چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانون تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہین جا رہے تھے، ان کو راہ مین ایک حدیث سنا دی[2]،

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا مین تم لوگون کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہون جو ہم لوگون کو آنحضرت صلعم نے سنائی تھی، لوگون نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنائیے، بولے، آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے قرب مین "ہرج" زیادہ ہوگا، لوگون نے پوچھا "ہرج" کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ لوگون نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہین؟ فرمایا اس سے مقصد کفار کا قتل نہین ہے بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتی کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کریگا، لوگون نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہان عقل و ہوش تو اس زمانہ مین باقی نہ رہیگا، حتی کہ آدمی خیال کریگا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا، یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم مین تم مین سے کوئی بھی آنحضرت صلعم کی اس پیشین گوئی سے نہ نکل سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کئے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائین جس طرح اس مین شریک ہوئے تھے[3]،

حضرت ابو موسیٰ رض کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۰۳ [2] ایضاً ص ۴۱۷ ، [3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۰۶ ،

بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبداللہ رقاشی روایت کرتے ہیں کہ، میں ایک مرتبہ ابو موسیٰ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک ایسا فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا، ابو موسیٰ نماز ختم کرچکے تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا، لوگ خاموش رہے پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی، لوگ پھر چپ رہے تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انھوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھکو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھی پر ڈانٹ ڈپٹ کرینگے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰ نے کسی قسم کی ترشروئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا[1]،

قرآن پاک قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اسکی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل اکثر ان سے ملتے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟ بولے رات دن میں جب موقع ملجاتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہوں[2]،

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ "انکو لحن داؤدی سے حصہ ملا[3]" ہے آنحضرت صلعم کو انکا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں انکو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہوجاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے، ابو موسیٰ کو قرآن پڑھتے

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [2] بخاری

[3] ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۸۰،

ہوئے سنا، وہین کھڑے ہوگئے اور سنکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابو موسیٰؓ حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمھاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے خدا کے رسول اگر مجھکو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو مین آواز مین اور دلکشی پیدا کرتا[1]

ایک مرتبہ مسجد نبوی مین بلند آواز سے عشار کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سنکر ازواج مطہراتؓ اپنے حجرون مین پردون کے پاس آکر کھڑی ہوکر سننے لگین، صبح کو جب انکو اطلاع ہوئی تو کہا اگر اس وقت مجھکو معلوم ہوجاتا تو مین ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا[2]

ابو عثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابو موسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، انکی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط مین بھی وہ دلکشی نہین[3]

کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمائش کرتے کہ ابو موسیٰ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھکر سناتے[4]

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انھون نے پوچھا، ابو موسیٰ کا کیا حال ہے، کہا لوگون کو قرآن پڑھاتے ہین، فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہین، مگر اسکو ان کے سامنے نہ کہنا[5]

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلمون کی تعلیم قرآن کے لیے یمن بھیجا تھا[6]

حدیث قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرون مین امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مین مستقل حلقۂ درس تھا جس سے

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۶۶ [2] طبقات ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۸۰ [3] ایضاً [4] ایضاً

[5] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۹۷

بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے ان کے نام آئندہ آئیں گے، ان کی مرویات کی تعداد
۸۴۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۶۰ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۸۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں[1]
ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیث صلعم کی زبان سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد
پھر حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم
سے روایت کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے مختصر فہرست یہ ہے،

ابراہیم، ابو بکر، ابو بردہ، موسی، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ، طارق بن شہاب
ابو عبدالرحمن سلمی، زر بن حبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابو الاحوص، عوف بن مالک،
ابو الاسود دیلی، سعید بن مسیب، ابو عثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابو رافع صائغ، ابو عبید
بن عبداللہ بن مسعود، مسروق بن ادس حنظلی، ہزیل بن شرحبیل، مرہ بن شرحبیل، اسود بن
یزید، عبدالرحمن بن یزید، حطان بن عبداللہ رقاشی، ربعی بن خراش، زہدم بن مضرب،
ابو وائل، شقیق بن سلمہ، صفوان بن محرز وغیرہم[2]

اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف
میں تامل نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے لڑکی پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتوی پوچھا،
انھوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملیگا، مستفتی نے جاکر یہ جواب حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان سے بھی فتوی دریافت کیا، انھوں نے کہا، اگر میں اس کی
تائید کردوں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو آنحضرت صلعم نے کیا ہے،
لڑکی کو آدھا ملیگا، پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ ملیگا باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ
ہے، مستفتی نے یہ جواب جاکر ابو موسیٰؓ کو سنایا، انھوں نے کہا جبتک یہ عالم تم میں موجود ہے،

[1] تہذیب الکمال، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۶۳،

اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں[1]

اخلاق و عادات

خشیتِ الٰہی اور رقتِ قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابو موسیٰؓ میں یہ دونوں صفتیں موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ دیا، کہ "لوگو خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنھوں نے دنیا ہنس کر گذاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون کے آنسو روئینگے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا، کہ اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہ نکلیں[2]

اتباعِ سنت ابو موسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبوی کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول و فعل بلکہ ہر ہر ادا ذات نبویؐ کا نمونہ بنجائے ایک موقعہ پر انھوں نے اپنی اس حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے،

ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰؓ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، راستہ میں عشا کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی پھر کھڑے ہو کر سورۂ نسار کی ۱۰۰ آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہاں آنحضرت صلعم نے قدم رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی میں بھی کروں[3]

رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اسلیے رکھتے تھے کہ آنحضرت صلعم رکھا کرتے تھے عاشورہ کا روزہ آنحضرت صلعم برابر رکھا کرتے تھے یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ

[1] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ [2] ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۸۱ [3] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۴۱۹

عاشورہ کا روزہ رکھو،

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے، قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابوموسیٰ لڑکیون تک کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرین[1]،

احکام نبوی کا لحاظ ہر آن و ہر لمحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت صلعم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہان جائے تو اجازت لیکر گھر مین داخل ہو، اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے، تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰ اس فرمان نبوی پر اس سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام مین مشغول تھے، اس لیے کوئی توجہ نہ کی، انھون نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیون واپس ہو گئے تھے، کہا مین نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، شاہد لاؤ تمھارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے، یہ گھبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس مین آئے، ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا انھون نے جاکر شہادت دی[2]،

یہی پاس و لحاظ زندگی کے آخر لمحہ تک رہا،

مرض الموت مین اپنے گھر کی کسی عورت کی گود مین سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت مین غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت تو یہ

---

[1] بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحۃ [2] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثاً،

کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت صلعم نے برات ظاہر کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برات کی ہے[1]،

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے، جیب اور گریبان نہ چاک کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں بری ہوں[2]،

تقوی ابو موسیٰؓ کا دامنِ عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی بو سے مجھکو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آیند ہے[3]،

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حذیفہؓ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمھارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے[4]،

توکل خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضا و قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی ابو بردہ نے کہا یہاں سے ہٹ کر وابق چلے چلئے کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا وابق نہ جاؤں گا[5]،

خدمتِ رسول خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت صلعم کی خدمت اور آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے، راستہ میں

[1] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۹۶ [3] ابن سعد جز ۴ ق اول ص ۸۴ [4] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین [5] ابن سعد جز ۴ ق اول ص ۸۲،

رات گذارنے کے لیے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک مین رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت صلعم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش مین نکلے، راستہ مین ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونون آگے بڑھے، اتنے مین آنحضرت صلعم آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان دونون نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین مین ہین، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لیے جب آپ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دیدیا کیجئے وہ ساتھ ہو جایا کرے[1]۔

شرم وحیا | الحیاء شعبۃ من الایمان حضرت ابو موسیٰؓ مین ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت مین ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہین، تو بولے مجھکو بار بار مرکر زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہین ہے[2]۔

سادگی | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت مین کمی آتی گئی، متعدد مہین انکی ماتحتی مین سر ہوئین، برسون تک مختلف صوبون کے حاکم رہے، لیکن ان دونون حالتون مین ان کی ظاہری زندگی مین کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ نخوت ورعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، ابو ذر فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابو موسیٰؓ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے، لیکن ابو ذر بار بار یہ کہکر ہٹاتے تھے اب تم میرے بھائی نہین ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے، انھون

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۱۱ [2] ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۸۲

نے کہا ابھی ہٹے رہو، پہلے میرے سوالات کے جوابات دیدو، پھر پوچھا تم نے لوگون پر حکومت کی ہے؟ ابو موسیٰؓ نے کہا ہان، کہا عمارتین تو نہین بنوائین، زراعت تو نہین کی، جانور تو نہین پالے؟ انھون نے سب نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کے ملے[1]

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، ابو بردہؓ روایت کرتے ہین کہ ابو موسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک غزوہ مین نکلے ان چھ مین صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سے سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤن پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگون نے چیتھڑے لپیٹ لیے، اسی لیے اس غزوہ کو ذات الرقاع "چیتھڑے والا" کہتے ہین، راوی کا بیان ہے کہ ابو موسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد مین اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا[2]

امت مسلمہ کی خیرخواہی | امت مسلمہ کی خیرخواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ مین وہ بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو مین حلفیہ وعدہ کرتا ہون کہ تمھارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کرونگا، اور تمھاری ضرورت کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، مین اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہون، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دوگے، اس خط کو پڑھکر انھون نے یہ جواب لکھا "تم نے امت محمدی کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے،

[1] ابن سعد جزو چہارم ق اول ص ۱۰۹ [2] مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوۂ ذات الرقاع،

جو چیز تمنے میرے سامنے پیش کی ہے اسکی مجھکو حاجت نہین ہے[1]"

جنگ جمل اور جنگ صفین دونون مین غیر جانبدار رہے، اور دوسرون کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والون کو حضرت علیؓ کیساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کرین، تو ابو موسیٰؓ اور ابو مسعودؓ نے ان سے جاکر کہا کہ "جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہین کیا[2]"

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشون اور ہنگامون مین نہایت ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰؓ فتنہ وفساد سے سخت متنفر تھے، وہ انکو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائین گے اور ایک دوسرے کو قتل کرین گے تو دونون جہنم مین جائینگے[3]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین مین حضرت علیؓ نے انکو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشۂ عزلت سے نکلنا پڑا اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کرکے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا،

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ حج مین شریک ہوچکے تھے، آپ نے بیت اللہ کے طواف

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۸۳، [2] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر،
[3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۰۳،

اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے امیر المومنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے، اگرچہ ابو موسیٰؓ اس فتوی میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگو جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیئے، امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتدا کرنی چاہیئے[1]

مخصوص فضائل | ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لیے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ محمدؐ جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا ابشر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا بشارت ہو چکی، کچھ دلواؤ اس جاہلانہ جواب سے چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر حضرت بلالؓ اور ابو موسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا تم دونوں قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منھ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انھوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی تھوڑا میرے لیے بھی، چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے ان کو بھی ملے[2] بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیئے،

---

[1] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحلل من الاحرام والامر بالتمام،

[2] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابو موسیٰؓ،

غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت صلعم نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا،
ابو موسیٰؓ کو بھی ان کی مشایعت کا حکم ملا، اوطاس مین مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر سخت زخمی ہوئے، ابو موسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہو گیا، زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انور کی خدمت مین سلام کے بعد دعاے مغفرت کی درخواست کرنا، یہ کہکر ابو عامر واصل بحق ہو گئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین انکا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لیے دعاے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰ نے عرض کی، حضور میرے لیے بھی دعا فرمائین، آپ نے دعا فرمائی خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کے گناہون کو بخشدے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما،[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الوذیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی[2]

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش مین دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کیساتھ مکہ پہنچے، وہ دونون واپس لوٹ گئے، لیکن انھون نے یہین طرح اقامت ڈالدی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ اوطاس [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمار بن یاسرؓ

نام سے شادی کر لی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابوحذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ، بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا[۱]

اسلام | ابوحذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب بن سنانؓ دونوں ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھکر پوچھا، تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے" پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا، محمدؐ سے ملکر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے" میرا بھی مقصد یہی ہے" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقیِ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے[۲]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لائے، تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلعم کے ساتھ دیکھا[۳] یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنھوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا[۴]

حضرت عمارؓ گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھکر سب سے زیادہ

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۷۶، [۲] ایضاً صفحہ ۱۷۷

[۳] بخاری باب فضائل الصدیق، [۴] فتح الباری ج ۷، صفحہ ۱۷ و اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۴۴

مشقِ ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتین دین، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریگ مین لٹایا، دہکتے ہوئے انگارون سے جلایا، اور گھنٹون پانی مین غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیون کے باوجود وہ ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے[1]

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی جو استقلال واستقامت کیساتھ راہِ خدا مین واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اسی گرداب اذیت مین جان بحق ہوئے[2]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگارون پر لٹا دیا، آنحضرت صلعم اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہوجا" اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندان یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آل عمارؓ تمھین بشارت ہو جنت تمھاری منتظر ہے"[3] ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلعم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، "صبر کرو! صبر کرو!!" پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسر کو بخشدے"[4]

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی مین اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہوگئے یہان تک کہ اسی حالت مین ان جفاکارون نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربار نبوت مین حاضر ہوئے تو آنکھون سے آنسوؤن کا دریا جاری تھا، آنحضرت صلعم نے پوچھا، "عمار! کیا خبر ہے؟" عرض کی، یا رسول اللہ! نہایت بری خبر ہے آج مجھے اس وقت تک

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۱۷۷، [2] اصابہ تذکرہ سمیہ ام عمار [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص۳۸۳ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۱۷۸

مخلصی نہ ملی جب تک مین نے آپ کی شان مین برے الفاظ اور ان کے معبودون کے حق مین کلماتِ خیر استعمال نہ کئے" ارشاد ہوا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے" فخرِ کائنات صلعم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھون سے آنسو کے قطرے پوچھے، فرمایا "کچھ مضائقہ نہین اگر یہ پھر ہو تو پھر ایسا ہی کرو"، اس کے بعد ہی قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی[1]

من کفر باللہ بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان، (جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہین)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا قریش مسلمانون کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائین؟" بولے "خدا کی قسم ہان! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہان تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت مین وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے[2]" غرض حضرت عمارؓ بھی انھین گرفتارانِ مصائب مین تھے جنھون نے راہِ خدا مین صبر و استقامت کے ساتھ گوناگون مصائب اور مظالم برداشت کئے لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم مین جنلوگون نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی وہ بیان کرتے ہین کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیرین، تپتی ہوئی ریگ اور دہکتے ہوئے انگارون کے داغ ان کی پیٹھ مین موجود تھے[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۱۷۸، [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمار،

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص۱۷۷،

ہجرت | ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمینِ امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلعم نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا[۱]

تعمیر مسجد | مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی کی بنا ڈالی گئی، سرورِ کائنات صلعم نے صحابۂ کرامؓ کو جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لالا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا،

نحن المسلمون نبتنی المساجدا[۲] — ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں،

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کرکے فرمایا، افسوس عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کریگا[۳] تم اسے خدا کی طرف دعوت دوگے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائیگا[۴]

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمار مرجائیں گے، آج عمار مرجائیں گے" وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کرچکے تھے، آنحضرت صلعم نے سنا تو کچھ اینٹیں اوتار کر پھینکدیں اور فرمایا، افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا[۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۷۹، [۲] ایضاً [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۸۵، [۴] بخاری ج ۱ ص ۶۴

[۵] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۸۱،

غزوات | غزوۂ بدر سے غزوۂ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلعم کے ہمرکاب رہے، عہد صدیقی کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی خوب دادِ شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں انکا ایک کان شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پروائی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفین کی صفین تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انھوں نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، آؤ میرے پاس آؤ" اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کر لوٹ پڑے،

کوفہ کی حکومت | خلیفۂ دوم نے ۲۱ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا،

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسر[1] امیرا وابن مسعود معلما و وزیرا، وقد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم وانہما لمن النجباء من اصحاب محمد من اہل بدر فاسمعوا لہما واطیعوا واقتدوا بہما وقد اثرتکم بابن ام عبد علی نفسی وبعثت عثمان بن حنیف علی السواد ورزقتہم کل یوم	اما بعد میں عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں (حضرت) محمد (صلعم) کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اس لیے ان دونوں کی فرمانبرداری، اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کر کے تمھارے پاس بھیجکر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۸۱

شاۃ فاجعل شطرہا و بطنہا لعمار و الشطر الباقی بین ھؤلاء الثلاثۃ[1]

عراق والوں کی پیمائش کیلئے پرمامور کرکے بھیجتا ہوں، اور ان کے رسد کے لیے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہیگا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہونگے،

حضرت عمارؓ نے ایک سال و ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثنا میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے،

بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبذان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسرؓ والیِ کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا "مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے"، اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہمسے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہکر خاموش ہو رہے "افسوس! اتمنے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی"[2]

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث صفحہ ۱۸۲ [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۶۷۶،

احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ مین شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلون مین ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیرالمومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہین رکھتے انجام کار دارالخلافہ بلاکر اس عہدہ سے معزول کیے گئے[1] حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہین ہوئے" بولے "جب آپ پوچھتے ہین تو حقیقت یہ ہے کہ مین نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہون[2]"

تحقیقات پر مامور ہونا خلیفہ ثالثؓ کے عہد حکومت مین تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہو گیا، ۳۵ھ مین خلیفۂ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبۂ مصر کی طرف روانہ کیے گئے،

خلیفہ ثالثؓ سے اختلاف تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی مین غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اور دارالخلافہ مین ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے یہانتک کہ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہین:

ان عماراً قد استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا	عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنا لیا ہے اور ان
الیہ منہم عبداللہ بن السوداء وخالد	مین سے عبداللہ بن السوداء، خالد بن ملجم، سودان بن

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۷ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۹۳

بنو بلجم وبنی سلامان بن حمران وکنانہ بن بشر، حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جاتے ہیں۔

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات مین نمایان تھا[1]، عام مجمعون مین علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ حکومت اور عمال کی بے اعتدالیون پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہانتک کہ اسی حالت مین کبھی کبھی طرفدارانِ خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلامون نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کرگیا، شکم مین خراش آگئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت مین حلف و موالات کا تعلق تھا یہ سنکر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جان بر نہ ہوسکے تو ہم ضرور انتقام لین گے[2]

اس قسم کے واقعات سے اختلافات کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہانتک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کردین تو انھون نے صاف انکار کردیا[3]، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی مین شریک تھے،

سفارتِ کوفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارگران حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہماتِ امور مین وہ ان کے دست وبازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کرکے جنگی تیاریون کے لیے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفۂ چہارم رضی اللہ عنہ کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کرین،

---

[1] تاریخ طبری ص۲۹۴۳ [2] استیعاب ج ۲ ص۴۳۶ [3] طبری

حضرت عمارؓ کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰؓ اشعری جامع مسجد مین ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان کر رہے تھے حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ" اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی[۱] حضرت عمارؓ بھی انکے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا "صاحبو! بیشک مین جانتا ہون کہ عائشہؓ دنیا اور آخرت مین حضرت سرورِ کائنات صلعم کی حرم محترم ہین، لیکن اس وقت خدا تمھاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمان برداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو"[۲] حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جان بازسپاہیون کی ایک فوج گران حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئی[۳]

جنگِ جمل | ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ مین دونون طرف کی فوجین مقام ذی قار مین مجتمع ہوئین حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہین تو انھین نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہین، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ حق عمار کے ساتھ ہے، اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے،

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انھین یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہین اس لیے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہان تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوسناک جنگ کا خاتمہ ہوا[۴]،

جنگِ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ مین بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایتِ حق کے

۱؎ اخبار الطوال ص۱۴۶ ۲؎ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص۲۶۵ ۳؎ اخبار الطوال ص۱۴۷، ۴؎ ایضاً ص۱۴۹،

جوش نے اکانوے برس کے بڈھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ مین حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے "مین اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلعم کی معیت مین لڑ چکا ہون، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دین جب بھی مین یہی سمجھونگا کہ ہم لوگ حق پر ہین، اور وہ غلطی پر[1]"

شہادت | ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کرکے بولے "رسول خدا صلعم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیے دنیا کا آخری توشہ ہے" اور یہ کہتے ہوئے غنیم کی صف مین گھس گئے کہ "آج مین اپنے دوستون سے ملونگا، آج مین محمد صلعم اور انکے گروہ سے ملونگا[2]" کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت مین ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا، یہ دونون قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار مین پہنچے، کیونکہ ان مین سے ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انھون نے کہا "خدا کی قسم یہ دونون جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہین"، امیر معاویہ نے برہم کہا "عمرو! تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیے اپنی جانین قربان کر رہے ہین، ان کو ایسا کہتے ہو" بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص۱۸۱ [2] ایضاً ص۱۸۴

کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی[1]،

حضرت عمرو بن العاص رضہ کو حضرت عمار بن یاسر رضہ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لیے تیار ہوگئے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضہ نے یہ کہکر تسلی دی کہ عمار رضہ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لائی[2]،

حضرت عمار رضہ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہوگیا، حضرت خزیمہ بن ثابت رضہ جنگ جمل اور معرکۂ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمار رضہ کی شہادت نے ثابت کردیا کہ اونھیں حیدر کرار رضہ کا ساتھ دینا چاہیے، چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچکر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی[3]، اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ رضہ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علی رضہ کے طرفدار ہوگئے،

تجہیز و تکفین | حضرت علی رضہ نے اپنے مونس و جان نثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچکر فرمایا، "خدا نے عمار رضہ پر رحم کیا جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا جس دن شہید ہوئے اور خدا ان پر رحم کرے گا جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلعم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہ رضہ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہ رضہ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کرسکتا، عمار رضہ اور حق باہم لازم و ملزوم تھے، اس لیے انکا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا[4]" اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامیِ حق کو زیر زمین نہاں کردیا[5]، انا للہ وانا الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابیِ رسول کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۸۵ [2] ایضاً صفحہ ۱۸۱ و مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۸۵ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث صفحہ ۱۸۷
[4] ایضاً صفحہ ۱۸۷ [5] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۸۲،

اخلاق | حضرت عمارؓ کا معدنِ اخلاق گرانمایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہین، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنۂ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ مین ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرفدار بنا دیا،[1]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا، کہ فرشِ خاک ان کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع مین بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا" ابوالیقظان چلو دیکھین یہ لوگ کیا کر رہے ہین" غرض وہان پہنچکر گھنٹون تماشا دیکھتے رہے یہان تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونون آدمی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے،[2]

عہد فاروقی مین کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جاکر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرف فرماتے ہین کہ ایک دفعہ کوفہ مین مین اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو مین حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیون کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہان بیٹھا ہوا، اپنے چرمی پیراہن پر پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہوکر کہا" اے فاسق کیا تو امیرالمومنین کی مذمت کر رہا ہے؟" میرے دوست نے عفو خواہی کرکے کہا" ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہین" اس وقت مین نے پہچانا کہ عمار بن یاسر یہی ہین،[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۱۸۱ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص۲۶۳

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۱۸۲،

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ مین اٹھتا تھا، جنگِ جمل اور غزوۂ صفین مین بھی درحقیقت اسی مطمحِ نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لاکر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی مین ساحلِ فرات کی راہ سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر مین جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ مین جلکر یا پانی مین ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا مین لڑنے جاتا ہون لیکن اس مین بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ تو مجھے اس مقصد مین ناکام نہ رکھیگا"[1] آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ "عمار کے رگ و پے مین ایمان سرایت کئے ہوئے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے[2]

مذہبی زندگی حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا رات رات بھر نماز اور وظائف مین مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین کہ یہ آیت،

امن ھو قانت آناء اللیل ساجداً وقائماً یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ (زمر ۱)	کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہین نافرمان بندون کے برابر ہوسکتا ہے)

حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے[3] خشوع، خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگون نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیون کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۱۸۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۲ [3] ایضاً جلد ۳ ص۳۸۳

سے سابقت کرنا پڑی[1] معذوری کی حالت مین بھی نماز قضا نہین ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لیے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلعم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت مین بھی صرف تیمم کافی ہے[2]"

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھکر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے[3] خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس مین ایجاز و اختصار خاص طور پر محفوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلعم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے[4]"

حلیہ | یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھین، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے[5]

حضرت عبد اللہ رض بن عمرو بن العاص رض

تام و نسب | عبد اللہ نام، ابو محمد اور ابو عبد الرحمٰن کنیت، والد کا نام عمرو بن العاص رض اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی،

اسلام | حضرت عبد اللہ رض اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رض سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے[6]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۳ [2] ایضاً ص ۲۶۳ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳،

[4] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۳ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۹، [6] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۳

مصاحبتِ رسول | وہ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے اور آنحضرت صلعم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلعم حالتِ غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے"۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت خیر الانام صلعم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا کہ "تم لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری زبان سے صرف حق ہی نکل سکتا ہے[۱]"

رسول اللہ صلعم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گزر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربارِ نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا "عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کریگا وہ میری امت سے نہیں ہے[۲]"

غزوات | عہدِ نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و باربرداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا "ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضایقہ تو نہیں؟"

---

[۱] مسند احمد ج ۲ صفحہ ۱۹۲ [۲] ایضاً صفحہ ۱۵۸

فرمایا تم ایک واقفکار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے مجھکو شتر سوارون کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام مین جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر سب پر لوگون کو مین نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جنکے پاس کوئی سواری نہ تھی مین نے بارگاہ نبوت مین عرض کی "یا رسول اللہ! تمام سواریان تقسیم ہوگئین لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جسکو کوئی سواری نہ مل سکی" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹون کا وعدہ کرکے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح مین نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کرلیے[1]۔

جنگ یرموک | یرموک کی عظیم الشان جنگ مین نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے حضرت عمرو بن العاص نے اس جنگ مین اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ مین دے دیا تھا[2]۔

واقعۂ صفین | حضرت عمرو بن العاص حضرت امیر معاویہ کے طرفدار تھے، اس لیے جب واقعۂ صفین پیش آیا تو انھون نے حضرت عبداللہ کو امیر معاویہ کی فوج مین شریک ہونے پر مجبور کیا، لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے یہی وجہ ہے کہ انھون نے جنگ مین عملاً کوئی حصہ نہین لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا[3]۔

حضرت عمار بن یاسر حضرت علی کی طرف سے سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہوکر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے ہوئے نہین سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کریگا؟" حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کی طرف دیکھ کر کہا "آپ نہین سنتے، عبداللہ کیا کہہ رہے ہین" امیر معاویہ نے تاویل کرتے ہوئے کہا "یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہین، کیا عمار کو ہم نے

---

[1] دارقطنی، [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴ [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انھوں نے کہا "تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے فریق کا دعویٰ تسلیم کرلینا چاہیئے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ صلعم سے سنا ہے کہ عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا" امیر معاویہؓ نے برہم ہوکر ان کے والد سے کہا "عمرو! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کروگے؟" اور خود ان سے کہا "اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟" حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جواب دیا، میں صرف اس لیے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول خدا صلعم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان بردار رہنا[2]

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہؓ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت و نادم و پشیمان تھے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے "میں اور صفین میں، اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا"[3]

اعتذار حضرت رجاءؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، عبداللہ بن عمروؓ اور ابو سعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت امام حسین بن علیؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا، کیا تمھیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا "کیوں نہیں؟" فرمایا "وہ یہ ہے جو تمھارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعہ صفین کے بعد سے اس سے مجھ سے کوئی گفتگو

---

[1] مسند احمد ج ۲ صہ ۱۶۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۶ [3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴

نہین ہوئی، حالانکہ اسکی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے" ابوسعید خدریؓ نے کہا، "کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کرینگے؟" بولے کیون نہین؟" دوسرے روز ابوسعیدؓ کو ساتھ لے کر عذر خواہی کے لیے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؓ کو ان سے ملنے مین پس وپیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعہ صفین مین اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا، "رسول اللہ صلعم کی ہدایت کے مطابق مین اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! مین نے اس جنگ مین نہ تو اپنی تلوار نہ برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا"[1]

وفات | ۶۵ھ مین حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط مین وفات پائی، لوگون نے ان کو گھر ہی مین دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ مین مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجون مین نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا[2]

حلیہ | یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر مین سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے،

علم وفضل | حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے طبقۂ صحابہؓ مین خاص امتیاز رکھتے تھے، انھون نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی مین بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت وانجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ "عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثین یاد تھین، کیونکہ وہ رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور مین لکھتا نہ تھا"[3]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [3] ایضاً

مجموعۂ حدیث کے پہلے مدون | انھون نے رسول اللہ صلعم کے ارشادات وملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جسکا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انھین زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس مین دیکھکر جواب دیتے تھے، ابوقبیل فرماتے ہین کہ ایکمرتبہ مین نے پوچھا کہ "قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟" ان کو زبانی یاد نہ تھا، انھون نے صندوق منگاکر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھکر فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا[۱]۔

حضرت عبد اللہؓ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، مجاہد بیان کرتے ہین کہ ایکمرتبہ مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انھون نے منع کیا، مین نے کہا "آپ تو مجھکو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفۂ حق ہے جس کو مین نے تنہا رسول اللہ صلعم سے سنکر جمع کیا تھا، پھر فرمایا "اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وہط کی جاگیر مجھکو دیدیجائے تو پھر مجھکو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو[۲]"

مرویات کی تعداد | حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے، جس مین ۱۷ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان متفق علیہ حدیثون کے علاوہ ۸ بخاری مین ہین اور ۲۰ مسلم مین[۳]۔

حلقۂ درس | حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کرکے تحصیل حدیث کے لیے ان کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہان پہنچ جاتے تھے شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد وپیش ہوجاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ ایکمرتبہ

[۱] مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۶ [۲] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴ [۳] تہذیب ص ۲۰۸،

مین ایلیاء کی مسجد مین جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو مین آکر کھڑا ہوا نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یہی ہین[1]،

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا تو لوگون نے روکا تو فرمایا "اسکو آنے دو" غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ صلعم کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا "مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ مسلم وہ ہے کہ مسلمان اسکی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہین، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتون کو چھوڑ دے[2]"

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی کیونکہ انکے حلقۂ درس مین نسبتۂ بصرہ والون کا زیادہ ہجوم رہتا تھا[3]

ارباب علم کی قدرشناسی وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ انکے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگون نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو مین اس دن سے بہت دوست رکھتا ہون جس دن رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا[4]"

اخلاق حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد، تقوی اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزون مین بسر ہوتا اور رات عبادت مین گذر جاتی تھی، آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا "عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت مین بسر کروگے

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۵ [2] ایضاً ص ۱۹۲ [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [4] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ،

بولے" ہان! یارسول اللہ (بابی انت و امی) فرمایا کہ تم اسکی طاقت نہین رکھتے اروزہ رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، مہینہ مین صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے" عرض کی "یارسول اللہ! مین اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو" بولے "مین اس سے بھی زیادہ رہ سکتا ہون" حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار داؤد (علیہ السلام) کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزون کی بہترین صورت ہے" عرض کی "مین اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہون" ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہین"[1]

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہین، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے اس بنا پر آنحضرت صلعم کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس تشریف لیجاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوقِ عبادت مین حقوقِ عباد کو بھول نہ جائین، فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے میرے گھر پر تشریف لا کر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمھارے جسم کا، تمھاری آنکھون کا، تمھارے اہل و عیال کا اور تمھارے دوستون کا تم پر حق ہے" مین نے عرض کی "داؤد (علیہ السلام) کا روزہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "نصف عمر"[2]

غرض انھون نے تمام عمر روزون مین حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی اور رات کا اکثر حصہ عبادت مین بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن اخیر عمر مین جبکہ قوی مضمحل ہوگئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی فرمایا

---

[1] بخاری باب صوم الدہر [2] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم،

کرتے تھے" کاش امین رسول اللہ صلعم کی اجازت کو قبول کرلیتا[1]"

ذریعۂ معاش | حضرت عبد اللہ بن عمرؓو کو اپنے والد سے وراثت مین بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم و حشم ملے تھے، طائف مین وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جسکی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا[2] حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہان زراعت ہوتی تھی[3] ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا تھا، یہانتک کہ دونون طرف سے کشت و خون کی تیاریان ہوگئی تھین، خالد بن العاص حضرت عبد اللہؓ کو سمجھانے کے لیے آئے تو انھون نے جواب دیا "کیا تمھین معلوم نہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت مین قتل کیا جائے وہ شہید ہے[4]"

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام نسب | صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمری بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری[5]

ابتدائی حالات | حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلاف روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ مین واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے عامل تھے انھون نے ابھی دنیا کی صرف چند بہارین دیکھی تھین کہ رومی فوجون نے ابلہ پر چڑھائی کی

[1] بخاری باب حق الجسم فی الصوم [2] تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۳۶ [3] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۲۳۴،

[4] مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۰۶، [5] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۰

اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسبد کے فقدان سے خزان آگئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش وجستجو مین دنیا کی خاک چھان ڈالی تمام مجامع میلون اور موسمی بازارون کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہین سراغ نہ لگا۔[1]

وہ رومیون ہی مین پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبداللہ بن الجدعان نے لے کر آزاد کر دیا[2] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبداللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ مین اس کی زندگی تک اسکے ساتھ رہے[3]

اسلام مکہ مین اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش وتحقیق کے خیال سے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھون نے ان کو دیکھکر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو" انھون نے کہا "مین محمدؐ سے ملکر انکی گفتگو سننا چاہتا ہون" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے" غرض دونون ایک ساتھ حاضر خدمت ہوکر مشرف باسلام ہوئے[4] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنھون نے صدائے توحید کو لبیک کہا،

رسول اللہ صلعم فرمایا کرتے تھے کہ صہیب روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابۂ کرامؓ اس دائرہ مین داخل ہوچکے تھے جنھین سے اکثرون نے مشرکین کے خوف سے اسکو ظاہر نہین کیا تھا[5]

ابتلاء واستقامت حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر مین ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انھون نے ابتدا ہی مین اپنے تبدیل

---

[1] اصابہ ج ۳ تذکرہ صہیب بن سنان [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲ [4] اسد الغابہ ج ۴ تذکرۂ عمار بن یاسر [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲،

مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں گوناگوں مصائب و مظالم برداشت کیے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[1]

ہجرت حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے انھوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکینِ قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِّ راہ ہوئے اور بولے "تم ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا" حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا "اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم جب تک اس میں ایک تیر بھی ہے، تم میرے قریب نہیں آسکتے اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو مکہ میں اس کو ٹے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے" مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے تمام مال و منال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔[2] حضرت خیر الانام صلعم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی حاضر دربار تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا، "یا رسول اللہ! آپ صہیب کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں" آپ نے فرمایا "صہیب! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟" مزاج نہایت ہی بذلہ سنج تھا بولے "میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں" اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلعم بے اختیار ہنس پڑے جب بھوک کی شدت کسی قدر دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابوبکرؓ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۶۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۳ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۹۹

سے کہنے لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریکِ سفر نہ فرمایا، حضرت رسالتمآب صلعم سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھکر روک رکھا، بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا[1] ارشاد ہوا "ابویحییٰ! تمھاری تجارت نہایت پُرمنفعت رہی"[2] اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ مین داد دی۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ، (بقرہ)

لوگون مین کچھ ایسے بھی ہین جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جانین بیچ دیتے ہین،

حضرت صہیبؓ مدینہ مین حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی[3]

غزوات | تیر اندازی مین کمال رکھتے تھے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکون مین رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہے، عالم پیری مین وہ لوگون کو جمع کرکے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارنامون کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے،

سہ روزہ خلافت | حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف ومحبت کیساتھ پیش آتے تھے، انھون نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائین اور اہل شوریٰ جب تک مسئلۂ خلافت کا فیصلہ نہ کرین، وہ امامت کا فرض انجام دین، چنانچہ انھون نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا[4]

وفات | سنہ ۳۸ھ مین پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ۷۳ برس کی عمر مین وفات پائی اور بقیع کے گورِ غریبان مین مدفون ہوئے[5]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ صفحہ ۱۶۳ [2] ایضاً مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۳۹۸ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث صفحہ ۱۶۳ [4] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۳ [5] ایضاً،

[illegible] حضرت صہیب [illegible] تعلقات سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی سے رسول اللہ صلعم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا[1]، اس بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ جمع ہو گئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پرلطف بنا دیا تھا۔[2]

مہمان نوازی، سخاوت و غربا پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، صہیب! تمہاری باتیں مجھے ناپسند ہیں، اول یہ کہ تم نے ابویحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو" بولے" یہ کنیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ صلعم کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرا اساس عمل رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان ہے خیارکم من اطعم الطعام ورد السلام (یعنی تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے) امر سوم کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل و عیال سے جدا کر دیا اس لیے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔[3]

حلیہ | حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے، زمانۂ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے،[4] زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں یحنّس غلام کو یناس، یناس کہکر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی" وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ اپنے غلام یحنّس کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔[5]

[1] استیعاب تذکرہ صہیب [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۶ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام و نسب مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشی،[1]

ابتدائی حالات حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعم سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ مین میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت صلعم کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "مکہ مین مصعب سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہین ہے۔"[2]

اسلام خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متنفر کر دیا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیون مین داخل ہوگئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم ارقم بن ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین تھے اور مسلمانون پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی مان اور خاندان والون کو خبر کر دی، انھون نے سنا تو محبت نفرت سے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ مصعب بن عمیرؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۲،

مبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لیے شرک کی عدالت نے قیدِ تنہائی کا فیصلہ سنایا۔[1]

ہجرتِ حبشہ

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیانِ امن و سکون کیساتھ سرزمینِ حبش کی راہ لی، اس نازپروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے وہ رنگ روپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔[2]

تعلیم دین و اشاعتِ اسلام

اس اثنا میں خورشیدِ اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیِ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، انھوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے حضرت سرورِ کائنات صلعم کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔[3]

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیمِ قرآن و اشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ حبیب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لیے کبھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلۂ بنی عبد الاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن

لہ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر، ٢ہ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۸۲، ۳ہ ایضاً صفحہ ۸۳۔

معاذ نے اپنے رفیق (حضرت) اُسید بن حضیرؓ سے کہا" اس داعیِ اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد (میزبانِ حضرت مصعبؓ) سے مجھکو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اسکی تکلیف نہ دیتا" یہ سنکر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ میں کہا" تمھیں یہاں کسنے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا" بیٹھ کر ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئے قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائیں گے" حضرت اُسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کرکے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسنِ اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر میں حضرت اسیدؓ کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہوکر بولے "کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے!! اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟" حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے نہا دھوکر پاک کپڑے پہنو پھر صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو" انھوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھکر کہا" میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہوگیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا، میں ابھی اس کو آپکے پاس بھیجتا ہوں"

حضرت اُسیدؓ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھکر کہا" خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب ہوگیا ہے" اور جب قریب آئے تو پوچھا" کہو کیا کر آئے؟" بولے" خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کروگے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل

کرنے نکلے ہین کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو، چونکہ بنی حارثہ
اور عبدالاشہل مین دیرینہ عداوت تھی اسلئے حضرت اسیدؓ کا افسون کارگر ہوگیا، حضرت سعد بن
معاذؓ جوشِ غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لیے دوڑے
لیکن جب یہان پہنچکر بالکل سکون واطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونون سے
بالمشافہ گفتگو کرنے کے لیے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل
ہوگیا اور خشمگین لہجہ مین بولے" ابوامامہ خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو مین تمہارے
ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا، تمھین کیونکر ہمارے محلہ مین علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی
ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہین؟" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے
ہماری باتین سنو، اگر پسند آئین تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہوجائین گے، حضرت سعدؓ
نے اس کو منظور کرلیا تو انھون نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا
کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نور ایمان سے چمک اوٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش مین بھرے
ہوئے اپنے قبیلہ والون کے پاس آئے اور بآبانگ بلند سوال کیا" اے بنی اشہل ا بتاؤ
مین تمہارا کون ہون" انھون نے کہا تم ہمارے سردار ہو اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب
ہو، بولے خدا کی قسم تمہارے مردون اور تمہاری عورتون سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جبتک تم
خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ" اس طرح عبدالاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے
اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا۔[۱]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار
نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہین سے اسلام

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۹، و خلاصۃ الوفا ص ۱۵۹

کی روشنی پھیلاتے رہے، یہان تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔[1]

مدینہ مین جمعہ قائم کرنا مدینہ منورہ مین جب کلمہ گویون کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی تو حضرت مصعب نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مکان مین جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا پھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ مین ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔[2]

بیعت عقبۂ ثانیہ عقبہ کی پہلی بیعت مین صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال مین تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدیدِ بیعت اور رسول اللہ صلعم کو مدینہ مین مدعو کرنے کے لیے روانہ ہوئی، ان کے معلمِ دین حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ساتھ تھے، انھون نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، آنحضرت صلعم نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بیحد محظوظ ہوئے۔[3]

حضرت مصعبؓ کی مان نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر مین آئے گا جس مین مین موجود ہون اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے"، انھون نے جواب دیا "مین رسولِ خدا صلعم سے پہلے کسی سے ملنے نہین جاؤنگا"، حضرت مصعبؓ جب

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۹، [2] خلاصۃ الوفا ص ۹۱، [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳، [4] ایضاً،

رسول اللہ صلعم سے شرف ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس گئے، اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "میں رسول اللہ صلعم کے دین حق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جسکو خدا نے خود اپنے لیے اور اپنے رسول کے لیے پسند کیا ہے" ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے میری غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا" حضرت مصعب رض سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھکو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھے قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھیگا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہکر رونے لگی، حضرت مصعب رض اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلعم اس کے بندہ اور رسول برحق ہیں" اس نے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤنگی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں اور اپنے مذہب سے وابستہ رہونگی"[1]

ہجرت مدینہ | حضرت مصعب رض نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلعم ہی کی خدمت میں بسر کئے اور پہلی ربیع الاول کو سرور کائنات صلعم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی[2]

غزوات | سنہ ۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیر میدان فصاحت کی طرح عرصۂ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعت مہاجرین کا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۳ [2] ایضاً ص ۸۴

سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ مین تھا، غزوۂ احد مین بھی علمبرداری کا تمغاے شرف انھین کو ملا،

شہادت اس جنگ مین ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح وشکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ مین ثابت قدم رہا، کیونکہ لواے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لیے سخت عار تھا، غرض اسی حالت مین مشرکین کے شہسوار ابن قمئہ نے بڑھکر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا لیکن بائین ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل، (آل عمران ع ۱۵) — اور محمدؐ صرف رسول ہین، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہین،

ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بایان ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونون بازؤن نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ مین رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگون ہونے کے لیے نہین آیا تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے[1]،

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت صلعم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی،

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ — مومنین مین سے چند آدمی ایسے ہین جنھون نے خدا سے جو کچھ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۸۵،

علیہ الایۃ ... عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہوکر فرمایا "مین نے تم کو مکہ مین دیکھا تھا جہان تمھارے جیسا حسین وخوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہون کہ تمھارے بال الجھے ہوئے ہین اور جسم پر صرف ایک چادر ہے" پھر ارشاد ہوا "بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی مین حاضر ہوگے" اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کرکے سلام بھیجین اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجیگا وہ اس کا جواب دینگے"[1]

اس زمانہ مین غربت وافلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤن برہنہ ہوجاتے اور پاؤن چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤن پر اذخر کی گھانس ڈالی گئی[2] اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویبط بن سعدؓ کی مدد سے سپردِ خاک کیا انا للہ وانا الیہ راجعون[3]

فضل وکمال حضرت مصعبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب مین جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ قرآن شریف جس قدر نازل ہوچکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ مین نمازِ جمعہ کی ابتدا انھی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے[4]

اخلاق اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج مین صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنادیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیون نے جفاکشی استقلال

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۸۵ [2] بخاری باب غزوۂ احد ص۵۸۹ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۸۶ [4] ایضاً ص۸۳

واستقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے اور اچھی طرح سے سکھا دیا تھا کہ دشمنوں مین رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے نومسلمون کی تعلیم وتربیت اور اشاعتِ اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا،

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ مین صرف امرا کے لیے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام مین آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلف مشکین کے سوارنے مین بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربارِ نبوت مین اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جسمین جابجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابۂ کرام نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنین جھکالین، آنحضرت صلعم نے فرمایا، "الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ مین کوئی نازپروردہ نہ تھا لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزون سے بے نیاز کر دیا[1]"

حلیہ حلیہ یہ تھا قد میانہ، چہرہ حسین، نرم ونازک اور زلفین نہایت خوبصورت تھین[2]

اہل وعیال حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت حجش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۸۲، [2] ایضاً ص۸۶

[3] ایضاً ص۸۱

حضرت عثمان بن مظعونؓ

نام، نسب عثمان نام، ابو السائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت العنبس تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب القرشی الجمحی[1]

قبل اسلام حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت مین عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل مین فتور آجائے، ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائین اور نشہ کی حالت مین ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے[2]

اسلام اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلعم کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہؓ ایمان لائے تھے، ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت صلعم نے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے[4]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۵ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۶ [3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۵،

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۶ ۔

ہجرت حبشہ دو بارہ | ۵ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلعم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانمان گروہ کے امیر تھے[1]، ایک عرصہ تک وہان مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر واپس تشریف لائے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچکر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ مین داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اسی حیص بیص مین جہانتک پہنچے تھے وہین رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کرکے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ مین مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کرکے مکہ مین داخل ہوئے[1]،

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتون سے محفوظ کردیا تھا تاہم وہ خود رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس اور دوسرے صحابۂ کرامؓ کو مبتلاے مصیبت دیکھکر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ مین ملامت فرمائی "افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا مین طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہین اور مین ایک مشرک کی حمایت مین اس چین و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہون! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے"، اس خیال نے بیتاب کردیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا "اے ابو عبد شمس! تمھاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک مین تمھاری پناہ مین تھا لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت مین رہنا پسند کرتا ہون، میرے لیے رسول خدا صلعم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے" ولید نے کہا "شاید تمھین کسی نے اذیت پہنچائی ہوگی" نہین اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہین، تم ابھی میرے ساتھ

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ باب الہجرۃ الے الحبشہ ۔ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۵،

خانۂ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کردو" غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام مین بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعون رضؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی اور فرمایا، صاحبو! مین نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہین ہے، اس لیے مین خود ہی اس بارِ احسان سے سبکدوش ہوتا ہون،

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس مین تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا اس لیے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا "الا کل شئی ما خلا اللہ باطل" (یعنی خدا کے سوا تمام چیزین باطل ہین) تو حضرت عثمان رضؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا" لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا "کل نعیم لا محالۃ زائل" (یعنی تمام نعمتین یقیناً زائل ہو جائینگی) تو بول اوٹھے "جھوٹ کہتے ہو" اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب اوٹھا کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی اوسنے اعادہ کیا، تو حضرت عثمان رضؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتین کبھی زائل نہ ہون گی" لبید نے خفیف ہو کر کہا "گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسون کا یہ حال نہ تھا" اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع مین برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمان رضؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگون نے کہا "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت مین نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی" بولے "خدا کی حمایت سب سے زیادہ امن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ مین شریک ہونے کی متمنی ہے" ولید نے کہا "کیا اب بھی تم میری پناہ مین آنا قبول کرتے ہو؟" فرمایا "میرے لیے صرف

خدا کی پناہ بس ہے[1]"

ہجرتِ مدینہ | حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ جب آنحضرت صلعم نے عموماً تمام صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کیساتھ جسمیں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمین امن میں پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے، حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے[2]

مواخات | آنحضرت صلعم نے مدینہ پہنچکر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لیے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ سے بھائی چارہ کرادیا[3]

غزوۂ بدر اور وفات | حق و باطل کی اول کشمکش یعنی معرکۂ بدر میں شریک تھے، میدانِ جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی سنہ ۲ھ کے اخیر میں وفات پائی[4]

حضرت ام العلاء انصاریہؓ (جنکے گھر میں انھوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت صلعم تشریف لائے، میں نے کہا، "ابوالسائب! تم پر خدا کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا"، ارشاد ہوا "تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟" میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ پھر خدا کس کو معزز کریگا؟ فرمایا "عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لیے بہتری کی امید رکھتا ہوں، لیکن خدا

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۵ و ۳۸۶

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸ [3] ایضاً [4] ایضاً

کی قسم میں رسولِ خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا انجام ہوگا۔[۱]

رسول اللہ صلعم کا حزن و ملال آنحضرت صلعم کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پُر نم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہو گئے،[۲] پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا "ابو السائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا۔"[۳]

قبر اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد آنحضرت صلعم نے مقام بقیع کو اس کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گور غریبان میں مدفون ہوئے،[۴] آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کرا کے فرمایا "اب جو مریگا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا۔"[۵]

اخلاق حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے صبر، تحمل اور اسلامی حمیت کے نمونے پہلے گذر چکے ہیں، مزاج میں شرم و حیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہِ نبوت میں عرض کی "یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا" ارشاد ہوا "کیوں؟" عرض کی حیا دامنگیر ہوتی ہے، فرمایا "خدا نے اس کو تمہارے لیے اور تم کو اسکے لیے پردہ بنایا ہے" وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا "عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیا و پردہ پوش ہے۔"[۶]

رہبانیت کی طرف میلان طبع تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرا نوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت صلعم نے باز رکھا اور فرمایا کیا میری

۱؎ بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۶۶ ۲؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸ ۳؎ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۷ ۴؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۹ ۵؎ ایضاً ص ۲۹۱ ۶؎ ایضاً ص ۲۸۸۔

ذات تمھارے لئے اسوۂ حسنہ نہین ہے؟ مین اپنی بیویون سے ملتا ہون، گوشت کھاتا ہون، روزے رکھتا ہون اور افطار کرتا ہون، بیشک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے اسلیے جو شخص خصی کریگا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہین ہے[1]"

عبادت | عبادت وشب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پرلطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازین پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انھون نے اپنے گھر مین عبادت کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا جس مین رات دن معتکف رہتے تھے ایک روز آنحضرت صلعم اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا "عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لیے مبعوث نہین کیا ہے، سہل اور آسان دین حنیفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے[2]"

شوقِ عبادت نے بیوی بچون سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجۂ محترمہ حرم نبوی مین آئین، امہات المومنینؓ نے انکو خراب حالت مین دیکھکر پوچھا "تم نے ایسی ہیئت کیون بنا رکھی ہے؟ تمھارے شوہر سے زیادہ تو قریش مین کوئی دولتمند نہین" بولین "مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ رات رات بھر نمازین پڑھتے ہین، دن کو روزے رکھتے ہین" امہات المومنینؓ نے آنحضرت صلعم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمھارے لیے نمونہ نہین ہے؟" بولے "میرے باپ مان آپ پر فدا ہون کیا بات ہوئی؟" ارشاد ہوا "تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو ہمیشہ روزے رکھتے ہو" عرض کی "ہان" "ایسا کرتا ہون" حکم ہوا "ایسا نہ کرو، تمھاری آنکھ کا، تمھارے جسم کا اور تمھارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے، نمازین بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمایش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنینؓ کی خدمت مین حاضر ہوئین،

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ صفحہ ۲۸۷ وصحیح بخاری کتاب الصوم وکتاب النکاح [2] طبقات ابن سعد جزء ۳ صفحہ ۲۸۷

تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں،[1]"

اہل وعیال | حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے دو لڑکے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے،[2]

حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم

نام ونسب | ارقم نام ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف، ابوالارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے: ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم،

حضرت ارقمؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت واقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابوجندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے،

اسلام | حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے،[3] اس وقت آنحضرت صلعم اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بارآور ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لیے نہیں آیا تھا، حضرت ارقمؓ نے مہبط وحی والہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہوچکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، اس وقت اس خطیرۂ قدس کو چھوڑا،[4]

ہجرت | بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت ابوطلحہ زید بن سہل سے مواخات ہوئی[5] اور آنحضرت صلعم نے مستقل سکونت کے لیے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا،[6]

۱؎ طبقات ابن سعد جزء ۳ صفحہ ۲۸۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۰ واصابہ تذکرہ ارقم ۵؎ طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۶۲

غزوات | حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریک کارزار تھے اس جنگ مین حضرت سرورِ کائنات صلعم نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکون مین بھی پامردی و شجاعت سے لڑے[1]

عہدہ | زمانۂ رسالت مین تحصیلِ زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے[2]

وفات | ۸۳ برس کی عمر پاکر ۵۵ھ مین رحلت گزینِ عالم جاودان ہوئے، انھون نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جنازہ کی نماز پڑھائین، لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق مین تھے، ان کے آنے مین دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار مین جنازہ کب تک پڑا رہیگا؟ اور چاہا کہ خود بڑھکر امامت کرے لیکن عبید اللہ بن ارقم نے اجازت نہ دی اور قبیلۂ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہوگیا، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثنا مین حضرت سعد بن وقاص تشریف لے آئے اور انھون نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان مین دفن کیا[3] انا للہ وانا الیہ راجعون،

اخلاق | تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقم کے نمایان اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بیحد شوق تھا، ایک دفعہ انھون نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رختِ سفر درست کرکے رسول اللہ صلعم سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے میرے باپ مان آپ پر فدا ہون یارسول اللہ! کوئی ضرورت نہین ہے، صرف بیت المقدس مین نماز پڑھنا چاہتا ہون، ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازون سے بہتر ہے، حضرت ارقم یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فسخ ہوگیا[4]

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۰ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد ج ۳ قسم ۱ ص ۱۷۲ [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴

ذریعۂ معاش | مختلف جاگیرون کے علاوہ اصلی ذریعۂ معاش تجارت تھی،

مکہ کا تاریخی مکان | ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہوگیا تھا، اس لیے انھون نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف علی الاولاد کردیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑون سے محفوظ رہے[1]

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج مین صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہوکر گذرتے تھے، ۱۴۰ھ خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ مین خروج کیا، چونکہ حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان ان کے معاونین مین تھے، اس لیے منصور نے والی مدینہ کو لکھکر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک معتمد خاص شہاب بن عبدرب کو بھیجکر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبداللہ بن عثمان نے پہلے انکار کیا لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گرانقدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کردیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا، رفتہ رفتہ دوسرے شرکار بھی راضی ہوگئے، لیکن ان کا زرِ معاوضہ اس کے علاوہ تھا،

ابوجعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دیدیا جس نے منہدم کرکے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردشِ ایام نے اس مین گوناگون تغیرات پیدا کیے، اور اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پرعظمت یادگار جو عرصہ تک مطلعِ انوارِ الٰہی و مہبط ملائکۂ آسمانی رہی تھی صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئی[2]

اولاد | حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبیداللہ، عثمان اور تین لڑکیان امیہ، مریم اور صفیہ یادگار چھوڑین[3]

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۰۳، [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ صفحہ ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی ۳ ، [3] (ایضاً) صفحہ ۱۷۳،

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام ونسب مقداد نام، ابوالاسود کنیت، عمرو کندی کے لخت جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود البہرانی،

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ مین خونریزی کی تھی اس لیے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے لیکن یہان بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کرلیا جس نے فرط محبت سے ان کو اپنا متبنیٰ کرلیا تھا، چنانچہ وہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے[1]

اسلام وہ مکہ مین ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانون مین آئی اور رسالتمآب صلعم کی دعوت وتبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنادیا، یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک مین شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے نے اپنی بے بسی وغریب الوطنی کے باوجود اخفای حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگون کی صف مین نظر آتے ہین جنھون نے ابتدا ہی مین اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کردیا تھا[2]،

ہجرت اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگون مظالم کا نشانہ بنالیے گئے، یہان تک کہ پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے[3]،

کچھ دنون کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریان ہورہی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد ق ا ج ٣ ص ١١٤

تھین، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریون کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے،
یہان تک کہ جب رسول اللہ صلعم بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام مین فوجی چھیڑ چھاڑ
کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف
روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیرِ عسکر تھا، راہ مین مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے
مٹ بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونون موقع پاکر مسلمانون سے
مل گئے اور مدینہ پہنچکر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے[1]

رسول اللہ صلعم نے ان کو بنی حدیلہ کے محلہ مین مستقل سکونت کے لیے زمین مرحمت فرمائی
کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انھون اسی حصہ مین رہنا پسند کیا تھا[2]

غزوات | سنہ ۲ھ سے شرک و توحید مین باقاعدہ معرکہ آرائیون کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرکین
قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدانِ بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثارانِ رسول کیلئے
یہ اولین آزمایش تھی، اس لئے رسول اللہ صلعم نے پہلے مشورہ طلب کرکے اس قلیل لیکن اولوالعزم
جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری
کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر مین اپنے خلوص و وفاشعاری کا اظہار کیا،
لیکن حضرت مقدادؓ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا،
اس نے یکایک تمام فدائیون کے جذبۂ سرفروشی مین ہیجان پیدا کردیا، انھون نے عرض کی،
"ہم قومِ موسیٰ کی طرح یہ نہین کہین گے کہ تو اور تیرا خدا جاکر لڑے" بلکہ ہم آپ کے داہنے، بائین
آگے اور پیچھے اپنی جان بازی کے جوہر دکھائین گے[3] قسم ہے اس ذات کی جس نے آپکو دین
حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلینگے تو ہم آپ کے ساتھ جاکر

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ صفحہ ۱۱۴ [3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر،

لڑینگے[1]۔ اس سادہ لیکن پرجوش اظہارِ فدویت سے آنحضرت صلعم اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا[2]۔

حضرت مقدادؓ[3] تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگِ بدر میں صرف یہی یکہ وتنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبار فتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین واصحابِ سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی وجانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے[3]۔

فتحِ مصر | سنہ ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیرِ عسکر نے دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جنمیں سے ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمینِ فراعنہ فرزندانِ توحید کا درثہ بنگئی[4]۔

وفات | حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایامِ پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عملِ جراحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف وندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انھوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعیِ جنت کو لبیک کہا، یہ سنہ ۳۳ھ خلیفۂ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لاکر بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کیگئی، انھوں نے کم وبیش ستر برس کی عمر پائی[5]۔

اخلاق | حضرت مقدادؓ گوناگون محاسنِ اخلاق کے مظہرِ اتم تھے، انھوں نے غزوۂ بدر کے موقع

---

[1] سیرت ابن ہشام ج اول ص ۳۵۲ [2] بخاری باب غزوۂ بدر، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۸،

[4] مقریزی ج ا ص ۱۶۵، [5] اصابہ ج ۳ ص ۴۵۵،

پر جس جوشِ فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے لیے باعثِ رشک تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے[1]،

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے؟ برجستہ بولے "نہیں! انفروا خفافا وثقالا کا حکم اس سے منکر ہے[2]"

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو" حضرت عبدالرحمنؓ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربارِ نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا "اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دونگا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ بن عبدالمطلب ان کے عقدِ نکاح میں آئیں[3]"

آغازِ اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا، تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ صلعم نے مجھکو اور میرے دونوں ساتھیوں کو

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر، [2] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ صفحہ ۱۱۵، [3] اصابہ ج ۳ صفحہ ۱۵۲،

اپنے میزبان کلثوم بن ہدم رض کے گھر مین جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریان تھین جنکے دودھ پر ہم لوگون کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، مین نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی اور آپ آسودہ ہو کر تشریف لائین گے، اس خیال کے آتے ہی مین نے اٹھ کر آنحضرت صلعم کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض مین اسی شش و پنج مین تھا، کہ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی خصوصاً جبکہ آپ نے کچھ کہنے کیلئے دونون ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف وہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت صلعم کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائیگی لیکن آپ نے فرمایا "اللهم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی" یعنی "خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اسکو سیراب کر" اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریون کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار مین دودھ خدمت بابرکت مین پیش کیا، آپ نے پوچھا "کیا تم لوگ پی چکے ہو؟" عرض کی یا رسول اللہ آپ پہلے نوش فرمالین تو پھر مفصل واقعہ عرض کرون، آنحضرت صلعم نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی و ندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی، آپ نے پوچھا "ابوالاسود یہ کیا ہے؟" مین نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا "یہ خدا کی رحمت تھی تم نے اپنے دونون ساتھیون کو کیون بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے"[1]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمان رض کے دربار مین چند آدمیون نے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص۲۔

ان کے روبرو تعریف وتوصیف شروع کی، حضرت مقدادؓ اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، "مقداد! یہ کیا ہے؟" بولے، "رسول اللہ صلعم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیون کے منہ مین خاک بھر دو[1]"

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آکر کہا، "مبارک ہین آپکی آنکھین جنھون نے رسول اللہ صلعم کی زیارت کی ہے، کاش! مین بھی اس زمانہ مین ہوتا" حضرت مقدادؓ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے "حاضر کو چھوڑکر غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگون نے رسول اللہ صلعم کا زمانہ پایا ہے ان مین بہت سے ایسے ہین جنکو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کردیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ مین ہوتا؟ تم لوگون کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ بغیر امتحان وآزمایش رسول اللہ صلعم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے[2]"

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے مین نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مین صرف نتائج پر نظر رکھتا ہون خصوصاً جب سے رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے[3]

جاگیرو ذریعۂ معاش تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، رسول اللہ صلعم نے ان کو خیبر مین جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جسکو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت مین ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم مین خرید لیا تھا[4]

حلیہ حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن، فربہ اندام تھے، سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور داڑھی نہایت موزون وخوبصورت تھی[5]

اولاد حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی[6]

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص۱۱۵ [5] ایضاً [6] ایضاً

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام نسب | عبدالرحمن نام، ابو عبداللہ کنیت، خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے

ابتدائی حالات | حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکینِ قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انھوں نے آگے بڑھکر "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انھوں نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو اجازت نہ دی[1]

غزوۂ احد میں بھی وہ مشرکینِ مکہ کے ساتھ تھے،

اسلام | حضرت عبدالرحمنؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچکر اپنے والد کیساتھ رہنے لگے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابو بکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انھوں نے حضرت عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ "میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا" حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انھوں نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی میں

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۶،

کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کرکے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہین حضرت عبدالرحمٰنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا "خدا کی قسم اس کو کھانے مین شریک نہین کرونگا" حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ مین چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کرکے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانون سے پوچھ لیجئے کہ مین نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا" انھون نے تصدیق کی اور کہا " واللہ جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائین گے ہم لوگ بھی نہ کھائین گے" غرض اس طرح ان کا غصہ فرد ہوا اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہین کہ اس روز کھانے مین اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہین ہوتا تھا، یہانتک کہ مین اس مین سے کچھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھی لے کر حاضر ہوا اس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا[1]؛

غزوات حضرت عبدالرحمٰنؓ فطرۃً نہایت شجاع و بہادر تھے خصوصاً تیر اندازی مین کمال رکھتے تھے، واقعہ حدیبیہ کے بعد عہد نبوت مین جسقدر معرکے پیش آئے وہ ان مین سے اکثر مین جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،

جنگ یمامہ یمامہ کی خونریز جنگ مین حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا، انھون نے اس جنگ مین غنیم کے سات بڑے بڑے جانباز افسرون کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا،

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہو گئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت

---

[1] بخاری ج ۲ صفحہ ۹۰۶،

عبدالرحمنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہین تڑپ کر ڈھیر ہو گیا، اور مسلمان اس کے ساتھیون کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے[1]

یزید کی بیعت سے انکار | امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لیے اپنی زندگی ہی مین کوشش شروع کر دی تھی، ایک دفعہ ان کی ایما سے مروان بن حکم والیِ مدینہ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کر کے یزید کے لیے بیعت لینا چاہا، اس وقت جنلوگون نے اس کی مخالفت مین صدا بلند کی ان مین ایک حضرت عبدالرحمنؓ بھی تھے، انھون نے مروان سے غضب آلود لہجہ مین کہا "کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے ہو" مروان نے برہم ہو کر کہا "صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن مین آیا ہے "والذی قال لوالدیہ اف لکما، (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے قرآن مین ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ سے یہ گفتگو سن رہی تھین وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھین "نہین"! واللہ نہین!! عبدالرحمن کے متعلق نہین ہے، اگر چاہو تو مین اس کا نام لے سکتی ہون جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی[2]"

امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انھون نے ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیجدیے لیکن حضرت عبدالرحمنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا "واللہ! مین دین کو دنیا کے عوض فروخت نہین کر سکتا[3]"

وفات | حضرت عبدالرحمنؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے، اور شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر "حبشی" نام ایک مکان مین اقامت پذیر ہوئے، یہان تک کہ ۵۳ھ مین ایک

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۷۵ [2] اسد الغابہ ج ۳ یہ واقعہ بخاری مین بھی مذکور ہے [3] استیعاب ج ۲ ص ۳۵۷

روزنا گہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت مین واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اُٹھے، حضرت عائشہؓ کے دل مین اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دیکر مار ڈالا، لیکن کچھ دنون کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر توانا وتندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اُٹھایا، اس واقعہ کے بعد سے ان کا شک جاتا رہا[۱]،

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئین اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہوکر بے اختیار روئین، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا — لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہوکر بولین "بخدا! اگر مین تمھاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہان تمنے وفات پائی تھی[۲]"

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

نام نسب حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والد کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلۂ نسب مین اختلاف ہے بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہین اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہین جو ایام جاہلیت مین قبیلۂ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ مین غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے[۳]

[۱] مستدرک ج ۳ ص ۴۷۶ [۲] ایضاً [۳] اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ،

قبل از اسلام | ایام جاہلیت مین شاعری وشہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے[1]،

اسلام | قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہان حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا، اور حضرت خالد بن رخیلہؓ سے مواخات ہوئی[2]

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکون مین رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب تھے[3]

دربار مصر مین تبلیغ اسلام | غزوۂ حدیبیہ سے واپس آکر سنہ ۶ھ مین رسول اللہ صلعم نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعۂ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام	مین تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہون، اسلام قبول کروگے
اسلم تسلم واسلم یوتک اللہ اجرک	تو تم محفوظ رہوگے اور خدا تم کو دونا اجر عطا فرمائے گا،
مرتین فان تولیت فان علیک	اور اگر روگردانی کروگے تو تمام قبطیون کا گناہ تم پر عائد
اثم اھل القبط یا اھل الکتاب تعالوا	ہوگا، اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم مین
الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا	اور تم مین باہم مساوی ہے یعنی ہم لوگ صرف ایک خدا کی
نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً	پرستش کرین، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائین اور ہم مین سے
ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من	بعض اپنے بعض کو خدا کے آگے پرودگار نہ بنائے،
دون اللہ[3]	

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مصر پہنچکر مقوقس کے دربار مین نامۂ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی،

حضرت حاطبؓ۔ تم سے پہلے یہان ایک ایسا فرمان روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپکو

---

[1] اصابہ ج ۱ ص ۳۱۱ [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۷۸ [3] ایضاً [4] زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۵۶،

خدائے برتر سمجھتا تھا لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بنجاؤ

مقوقس؛ ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جسکو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے،

حضرت حاطب رض: ہم تمکو دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی لیکن نصاریٰ بہ نسبتہ قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی اسی طرح عیسیٰ نے محمد کی بشارت دی ہے اور جس طرح تم یہودیوں کو انجیل کی طرف بلاتے ہو، اسی طرح ہم تمکو قرآن کی دعوت دیتے ہیں انبیاء کے زمانۂ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور انپر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے، اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم تمکو دینِ مسیح سے پھیرتے نہیں، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں[1]

مقوقس۔ کیا درحقیقت محمد نبی ہیں؟

حضرت حاطب رض، کیوں نہیں!

مقوقس، قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکالدیا، تو انھوں نے بددعا کیوں نہ کی؟

حضرت حاطب رض؛ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انھوں نے صلیب پر کیوں نہیں اپنی قوم کے لیے بددعا فرمائی؛

اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند کی اور بولا

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۵۷،

"بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیم کی طرف سے آئے ہو، مین نے جہانتک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہین دیتا اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، مین اس کو نہ تو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہون، اور نہ جھوٹا کاہن، اس مین نبوت کی بہت سی نشانیان ہین، مین عنقریب اس پر غور کرونگا"
اس کے بعد اس نے آنحضرت صلعم کا نامۂ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ مین بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت مین دیا،

مقوقس نے حضرت حاطب رضؓ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت صلعم کے لیے گرانقدر تحائف ساتھ کر دیئے جنمین ماریہ و سیرین دو لونڈیان، دلدل نام ایک خچر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے[1]

غزوۂ فتح | ۸ھ مین فتح مکہ کی تیاریان ہوئین اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لیے تمام احتیاطی تدبیرین عمل مین لائی گئین، حضرت حاطب رضؓ گو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت مین قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا، انھون نے ان تیاریون کے متعلق خط لکھکر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن کشاف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائین، غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا، "حاطب! یہ کیا ہے؟" عرض کی یا رسول اللہ میرے معاملہ مین عجلت نہ فرمائیے، مین قریشی نہین ہون تاہم ایام جاہلیت مین ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی اعزہ و اقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہین، اس لیے مین نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہین ہے تو کم سے اس احسان کا

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ [2] زاد المعاد ج ۲ ص۵۷،

معاوضہ ادا کر دون جو قریش میرے رشتہ دارون کے ساتھ مرعی رکھتے ہین، مین نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہین کیا ہے[1]"

رسول اللہ صلعم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی، اس لیے اس کو کوئی برا نہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانون کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، ارشاد ہوا "کیا وہ معرکۂ بدر مین شریک نہ تھا؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دیدی ہے کہ تم جو چاہو کرو، تمھارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے" رحمۃ للعالمین کی اس شان درگذر پر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے[2]

اسی واقعہ کے بعد اعدای اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کیگئی اور قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی[3]

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ (ممتحنہ ع ۱)

اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمھارے پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انھون نے انکار کیا ہے،

مصر کی سفارت آنحضرت صلعم کے بعد خلیفۂ اول رضؓ نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار مین بھیجکر انکی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملۂ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا[4]

وفات ۵۶ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ مین رہ گزین عالم جاودانی ہوئے، حضرت عثمانؓ نے

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [2] بخاری باب فضل من شہد بدراً [3] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ [4] استیعاب ج ۱ ص ۱۳۵

جنازہ کی نماز پڑھائی، اور مسلمانون کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا، انا للہ و انا الیہ راجعون،

اخلاق | وفاشعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہین، احباب اور رشتہ دارون کا بیحد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع مین انھون نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت انھین جذبات پر مبنی تھا، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے بھی اسی نیت خیر و صاف گوئی کو ملحوظ رکھکر ان سے درگذر فرمایا،

مزاج مین ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلامون کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، آنحضرت صلعم اور خلفاے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت مین تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا "یا رسول اللہ! حاطب یقیناً جہنم مین جائے گا" ارشاد ہوا "تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر و حدیبیہ مین شریک ہوا ہے وہ جہنم مین نہین جا سکتا"[1]

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین بھی بارہا غلامون کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتین سنی گئین، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا، تو انھون نے اس کی پاداش مین نہایت سخت سزا مقرر کی، یہان تک کہ خود خلیفۂ وقت نے ان سے بلا کر کہا "معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلامون کو بھوکا رکھتے ہو" اور تنبیہ و تادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ مین دوچند قیمت پیش کی[2]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، انھون نے کھانے کی ایک دکان (اسٹور) رکھی تھی جس سے[3] نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے،[4]

حلیہ | یہ تھا، موزون اندام، چہرہ خوبصورت، انگلیان موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا تھا[5]

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۲۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۷۸ [5] ایضاً،

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام نسب: عبداللہ نام ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا، شجرۂ نسب یہ ہے :- عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی،

اسلام: مکہ مین ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت مین شریک ہوئے[1] حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریون سے تنگ آکر جمال توحید کو شرک کے پردہ مین چھپانے پر مجبور ہوگئے، یہان تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان توحید کے دائرہ سے باطل پرستون کے حلقہ مین پھر واپس آگئے اور غزوۂ بدر مین شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے لیکن انھین کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے، وہ کبھی تاریک نہین ہو سکتا؛ غرض میدان بدر مین جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغاز جنگ سے پہلے لواے توحید کے نیچے آکھڑے ہوئے،

غزوات: اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کیساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوان ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہان تک کہ

[1] استیعاب ج ۱ صفحہ ۳۹۲،

مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا[1]،

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انھوں نے دربار نبوت میں اپنے والد کے لیے امان طلب کی آپنے امان دیکر حاضرین سے فرمایا "سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جسکا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں" حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد کے پاس آکر رسول اللہ صلعم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادتمندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا بولے، خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادتمند و نیکوکار رہے[2]

شہادت — حضرت عبداللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پاکر ۱۲ھ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے[3] انا للہ وانا الیہ راجعون،

حضرت ابوبکرؓ حج کے لیے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لیے گئے صابر و شاکر باپ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت کریگا، مجھکو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھکو فراموش نہ کریگا[4]،

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

نام ونسب — عتبہ نام، ابو عبداللہ کنیت، غزوان بن جابر کے لخت جگر تھے پورا سلسلۂ نسب

[1] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۲۹۵ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۹۵، [3] ایضاً

[4] ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۲۹۶،

یہ ہے ۔ عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر ایام جاہلیت مین انکا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا[1]

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگون مین ہین جنھون نے ابتدا ہی مین داعی توحید کو لبیک کہا تھا[2] چنانچہ ایک دفعہ انھون نے اثنائے تقریر مین دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام مین ان کا ساتوان نمبر ہے[3] لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا ۔

ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیون سے تنگ آکر ملک حبش کی دوسری ہجرت مین شریک ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے ، آنحضرت صلعم اس وقت تک مکہ مین موجود تھے[4] رسول اللہ صلعم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام مین باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس دستۂ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ، عکرمہ بن ابی جہل اسکا امیر عسکر تھا ، راہ مین مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مٹ بھیڑ ہوئی حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے ، یہ دونون موقع پا کر مسلمانون سے مل گئے[5] اور مدینہ پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مہمان ہوئے ، یہان حضرت عتبہؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاریؓ مین باہم مواخات ہوئی[6]

غزوات تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن مین تھا[7] بدر ، احد اور ان تمام معرکون مین جنمین رسول اللہ صلعم نے خود بنفس نفیس حصہ لیا ، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار رہے

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۶۴ ۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۶۶ [3] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۶۴ [4] ایضاً ۔ [5] ایضاً [6] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۶۹ ، [7] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۶۰ ، [8] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۶۴ ،

سنہ ۱۴ھ میں خلیفہ دوم رضؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ میسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے،

"خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لیکر روانہ ہو جاؤ، جہاں تک ممکن ہو تقوی کو اپنا شعار بناؤ اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جا رہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمھاری مدد فرمائیگا، میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیجکر تمھاری مدد کریں، وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں، تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ میں جن عربی قبائل سے گزرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو"[1]

حضرت عتبہؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا اسلام کا زیر نگین کر دیا[2]

تعمیر بصرہ اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کفدست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کیلئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا[3]، اور حضرت محجن بن الادرعؓ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھانس پھوس سے چھائی گئی تھیں چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۶۷ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۳ [3] فتوح البلدان بلاذری ذکر تمصیر البصرہ،

سے بنائی گئی تھی[1]

ولایت | حضرت عتبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے[2] لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، سنہ ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعودؓ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دیدیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے انکی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی[3]

وفات | حضرت عتبہؓ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفۂ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف رہ نورد ہوئے، تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی "خدایا تو مجھے بصرہ نہ پہنچا" دعا مقبول ہوئی، اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا[4] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق | ان کا چمنِ اخلاق گلہائے رنگارنگ سے آراستہ ہے، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آیند پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسولِ خدا صلعم کو لبیک کہا تھا جبکہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گذارہ کرنا پڑتا تھا جس سے ہونٹوں میں زخم پڑ جاتے تھے[5]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۶۷ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۶۹ [3] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۶۲،

[4] ایضاً [5] مسند احمد بن حنبل ج ۴ صفحہ ۱۷۴،

زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے پرفخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے "مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ لوگون کی نظرون مین حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون[1]" انھون نے بصرہ کی جامع مسجد مین ایک خطبہ دیا تھا، یہان اس کے چند فقرے نقل کئے جاتے ہین ان سے ان کے خوفِ قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

"صاحبو! دنیا رفتنی و گذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینکدینے کے بعد آخر مین کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہان، تم یقیناً اس دنیا سے ایک ایسی جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہین تو پھر کیون نہین بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس مین بھی وہ اسکی گہرائی کو طے نہین کر سکتا، لیکن خدا کی قسم تم اس کو بھر دوگے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے، کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہونگے کہ چالیس سال مین اسکی مسافت طے ہو سکتی ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا، جبکہ ان پر سخت اژدحام ہوگا،

مین جب ایمان لایا تو رسول اللہ صلعم کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے، عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتون پر گذارہ تھا، جس سے ہونٹون مین زخم پڑ جاتے تھے، مجھے ایک دفعہ ایک چادر پڑی مل گئی جس کو چاک کر کے مین نے اور سعد نے تہ بند بنایا، لیکن ایک دن وہ بھی آیا جب ہم مین سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون، نبوت

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۶۵

ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی اور تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے[1]

حلیہ | یہ تھا قد طویل مجموعی حیثیت سے حسین خوبرو[2]

حضرت عامر بن فہیرہؓ

نام ونسب | عامر نام، ابو عمر کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے[3]

اسلام | حضرت عامرؓ نے ابتدا ہی میں دعوت توحید کو آویزۂ گوش ہوش بنایا تھا، آنحضرت صلعم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بیکسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ کرم نے قیدِ غلامی سے نجات دلائی[4]

ہجرت | ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس سے آتے، یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا، صبح کے وقت حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ (جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے) واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشانِ قدم پر لے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہہ نہ ہو[5] غرض جب یہ قافلہ غار ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنے

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۲ صفحہ ۱۷۰ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۹، [3] کتاب المغازی باب غزوہ الرجیع الخ [4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۱ [5] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع،

پیچھے بٹھالیا، مدینہ پہنچکر وہ حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے، اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے[1]

ابتداءً مدینہ کی آب وہوا جن لوگون کو راس نہ آئی ان مین سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اسقدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہوگئی، شدت بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے[2]

انی وجدت الموت قبل ذوقه ... ان الجبان حتفه من فوقه

مین نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا ... بیشک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے

کل امرء مجاهد بطوقه ... کالثور یحمی انفه بروقه

ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے، ... جس طرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے

آنحضرت صلعم کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی "اے خدا تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لیے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریون سے پاک کر" دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے[3]

غزوات| غزوۂ بدر واحد مین شریک تھے[4] سنہ ۴ھ مین رسول اللہ صلعم نے ستر قاریون کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی انہین مین شامل تھے، قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے، عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے "عامر بن فہیرہؓ" اس نے کہا کہ مین نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے یہان تک کہ آسمان زمین

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۶۲ [2] اصابہ تذکرہ عامر بن فہیرہ [3] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ

کے درمیان بالکل معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھدیئے گئے[1]

تعجب انگیز شہادت | حضرت عامر بن فہیرہؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بیساختہ ان کی زبان سے نکلا "خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا"، لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی ملائکہ نے تجہیز و تکفین کی اور روح اقدس کے لیے اعلی علیین کے دروازے کھول دیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمۂ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے[2]

اخلاق | حضرت عامر بن فہیرہؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسیاہ فام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ سہ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤن کی غلامی مین بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہر فریب آرائشون کا محتاج نہین، وہ حلۂ شہی و خرقۂ گدائی مین یکسان اپنی چمک دکھاتا ہے، انھون نے گوناگون مصائب و مظالم کے مقابلہ مین جسطرح استقلال و استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے، رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول خدا صلعم نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کردیا تھا، چنانچہ غزوۂ بیر معونہ مین جب برچھی جگر سے پار ہوگئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا، فزت واللہ[3] یعنی خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا،

حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد

نام نسب | عبداللہ نام، ابوسلمہ کنیت، والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی[4]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۶ [3] ایضاً [4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۸،

ان کی والدہ حضرت برہؓ آنحضرت صلعم کی پھوپھی تھین اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیحین رضاعی بھائی تھے،

اسلام آنحضرت صلعم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقۂ مومنین مین داخل ہوئے[۱] ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے

ہجرت حضرت ابو سلمہؓ سرزمین حبش کی دونون ہجرتون مین شریک تھے ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی رفیقِ سفر تھین، پھر حبش سے واپس آکر عازمِ مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو وارد یثرب ہوئے لیکن دوسری روایت مین اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر ان دونون مین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہین "(حضرت) ابو سلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدفِ اذیت بنایا اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے (حضرت) مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ان دونون روایتون مین باہم تخالف نہین ہے"[۲] بہرحال حضرت ابو سلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسوین تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے انکو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت صلعم کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا[۳]،

مواخات آنحضرت صلعم نے حضرت سعد بن خیثمہ انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا[۴]،

غزوات غزوۂ بدر و اُحد مین سرگرم پیکار تھے، معرکۂ اُحد مین ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے انکا

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۸ [۲] فتح الباری ج ۷، ص ۲۰۳ [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱ [۴] ایضاً،

بازو زخمی کر دیا جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا[1]۔ اسی اثنا میں وہ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے،

سریۂ قطن فید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت صلعم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں، اس بنا پر اوائل محرم سنہ ۴ھ میں حضرت ابو سلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی، آنحضرت صلعم نے حضرت ابو سلمہؓ کو علم دے کر فرمایا "روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کر دو"

حضرت ابو سلمہؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکایک بنو اسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جنکو حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ پہنچکر بطور مال غنیمت دربار نبوت میں پیش کیا[2]۔

وفات حضرت ابو سلمہؓ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۸ جمادی الآخر سنہ ۴ھ میں واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت صلعم عین حالت نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے، روح دید ار جمال کی منتظر تھی ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا، آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا، "انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہجاتی ہیں"[3]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۷۱ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریۂ ابو سلمہ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۷۲

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتین مصروفِ ماتم تھین، آنحضرت صلعم نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعاءِ خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمانی جو میّت کے پاس موجود ہوتے ہین وہ دعا گویون کی دعا پر آمین کہتے ہین، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے "خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر، اس کو پرنور بنا، اس کے گناہون کو بخشدے اور ہدایت یاب جماعت مین اس کا درجہ بلند فرما[1]"

تجہیز و تکفین حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ مین وفات پائی کیونکہ وہ قبا سے منتقل ہوئے تو یہین آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئین یسیرہ[2] کے پانی سے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن مین چھپایا[3]، انا للہ وانا الیہ راجعون،

فضائل و محاسن حضرت ابوسلمہؓ کا پایۂ فضل و کمال نہایت بلند ہے، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلعم اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے[4]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہین کہ ایک روز ابوسلمہ دربارِ نبوت سے خوش خوش گھر واپس آئے، اور کہنے لگے کہ آج سب مجھے رسولِ خدا صلعم کے ایک ارشاد نے بیحد محظوظ کیا، آپنے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت مین خدا کی طرف رجوع کرکے کہتا ہے" اے خدا! اس مصیبت مین میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما"، تو خدا اسکی دعا وقبول فرماتا ہے، چنانچہ ابوسلمہ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو مین نے خدا کی طرف رجوع کرکے کہا، "اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما"، لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لیے ابوسلمہ کا نعم البدل کون ہوسکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب خود رسول اللہ صلعم نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کردی[5]،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صـ۱۷۲ [2] ایام جاہلیت مین یہ کنواں بیر عبیر کے نام سے مشہور تھا، آنحضرت صلعم نے اسکو بدل کر یسیرہ نام رکھا تھا (ایضاً صـ۱۷۲) [3] ایضاً صـ۱۷۱ [4] اصابہ تذکرۂ ابوسلمہ [5] مسند احمد بن حنبل ج ۴ صـ۲۷

اولاد | حضرت ابو سلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور دُرّہ یادگار چھوڑیں انکی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنینؓ میں داخل کی گئیں[1]

حضرت عبد اللہ بن جحشؓ

نام نسب | عبد اللہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے عبد اللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی،

حضرت عبد اللہؓ کی والدہ امیمہ عبد المطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلعم کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلۂ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا[2]

اسلام | حضرت عبد اللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی میں داعیِ اسلامؐ کو لبیک کہا تھا اس وقت تک آنحضرت صلعم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے[3]

ہجرت | مشرکینِ قریش کے دستِ تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا انہوں نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبید اللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۷۰ [2] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۳۱،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۶۲

عبید اللہ نے حبش مین نصرانیت اختیار کر لی اور وہین پیوند خاک ہوا، حضرت عبداللہ بن جحش رض اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہان سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبرون کو جو سب کے سب دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے تھے ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، انھون نے اپنے رشتہ دارون سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے[1]

مدینہ مین حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری رض نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت صلعم نے ان دونون مین باہم بھائی چارہ کرادیا تھا[2]

غزوات ماہ رجب سنہ ۲ھ مین رسول اللہ صلعم نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی، اور سربمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون کو اپنا طرز عمل بنائین، حضرت عبداللہ رض نے حسب ارشاد دو منزلون کے بعد کھول کر پڑھا، ان مین حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل وحرکت اور دوسرے ضروری حالات کا پتہ چلائین، انھون نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً وطاعۃً کہا اور اپنے ساتھیون سے مخاطب ہو کر بولے، صاحبو مین رسول اللہ صلعم کے اس فرمان کو پورا کر کے رہونگا، تم لوگون مین سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے مین کسی کو مجبور نہین کرتا، اس تقریر پر سب نے جوش کیساتھ رفاقت وجان نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچکر قریش کے تجسس مین مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہ رجب مین مراسم جاہلیت کے مطابق قتل وخونریزی ناجائز تھی تاہم مسلمانون نے اس پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کرلی، اور یکایک ٹوٹ پڑے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ و ۶۳ و [2] ایضاً ص ۶۲،

عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگردہ تھا مارا گیا، عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ نے اس مین سے ایک خمس نکال کر باقی چھ حصے مساوی تمام شرکاے جنگ مین تقسیم فرمایا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہین ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہؓ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا، اور قرآن مین اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی،

حضرت عبداللہ بن جحشؓ مال غنیمت کا خمس لیکر دربار نبوت مین حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے مین پس وپیش کیا اور فرمایا کہ مین نے تم کو ماہ حرام مین خونریزی کا حکم نہین دیا تھا مسلمانون نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمد اور ان کے اصحاب نے ماہ محرم کو حلال کر لیا، اور قتل وخونریزی کر کے اس کی بے حرمتی کی لیکن وحی الہی نے ان کو اور ان کے ساتھیون کو ان جگر دوز طعنون سے بری کر دیا[1]،

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ	لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہین کہ اس مین لڑنا (جائز)
قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ	ہے، کہدو کہ اس مین لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے
وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج	روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور
اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ	اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے
اکبر من القتل، (بقرہ ع ۲۷)	(بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت وخون سے زیادہ برا ہے

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ بدر واحد مین شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے مین نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی، میرے الفاظ یہ تھے،" اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ مین آئے، وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہو تاکہ

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۵۲

مین تیری راہ مین اس کو قتل کرون" عبداللہ نے آمین کہا پھر دست بدعا ہوے "خدایا ایسے مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، مین تیری راہ مین اوس سے معرکہ آرا ہون یہان تک کہ وہ مجھے قتل کرکے ناک کان کاٹ ڈالے جب مین تجھ سے ملون گا اور تو فرمائیگا اے عبداللہ! تیرے کان، ناک کیون کاٹے گئے؟ تو عرض کرونگا تیرے لیئے اور تیرے رسول کے لیے" ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے "خدایا مین تیری قسم کھاتا ہون کہ مین دشمن سے لڑونگا، یہان تک کہ وہ مجھے قتل کرکے میرا مثلہ کریگا"[1]

شہادت | غرض ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا حضرت عبداللہ بن جحش رض اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، آنحضرت صلعم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ مین تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے بالآخر اسی حالت مین ابوالحکم بن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کردی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک، کان کاٹ کر دھاگے مین پرو دیئے حضرت سعد رض نے دیکھا تو بولے "خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی"[2]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے مامون سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رض کے ساتھ ایک ہی قبر مین مدفون ہوئے[3]، انا للہ وانا الیہ راجعون:

اخلاق | گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی ان کی فطرت مین داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کئے گئے تو آنحضرت صلعم نے ان کے ساتھیون سے فرمایا تھا "گو عبداللہ بن جحش تم لوگون مین سب سے بہتر نہین ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیون کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے"[4]، خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کردیا تھا

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۳۱ [2] ایضاً ص ۱۳۱ [3] ایضاً ص ۱۳۲ [4] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن جحش ،

انھین اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جان عزیز کسی طرح راہ خدا مین نثار ہو جائے، چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی اور المجدع فی اللہ یعنی گوش بریدۂ راہ خدا ان کے نام کا فصل امتیازی ہو گیا[1]،

حلیہ | حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے[2]،

اولاد | حضرت عبداللہؓ کے ازدواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہین، غالبًا ایک لڑکا تھا آنحضرت صلعم اس کے ولی تھے اور آپ نے اس کے لیے خیبر مین جائداد بھی خرید فرمائی تھی[3]،

حضرت عکاشہ بن محصنؓ

نام، نسب | عکاشہ نام، ابو محصن کنیت، محصن بن حرثان کے نور نظر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمۃ الاسدی ایام جاہلیت مین بنی عبد شمس کے حلیف تھے[4]،

اسلام و ہجرت | مکہ مین قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقی اسلامؐ نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خواران توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے[5]،

غزوات | غزوۂ بدر مین غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ دودم ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی تو آنحضرت صلعم نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی، جس نے خنجر خاراشگاف بنکر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہانتک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا[6]،

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگون مین جوش و پامردی کیسا تھ

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۳۲ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۶۲ [3] ایضاً، [4] اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۲،

[5] ایضاً صفحہ ۳ [6] استیعاب تذکرۂ عکاشہ،

نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول ۶ھ ہجری مین چالیس آدمیون کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ مین چشمۂ غمر پر خیمہ افگن تھے، حضرت عکاشہؓ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے اسلیے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دو سو اونٹ اور بھیڑ بکریان گرفتار کر کے لے آئے۔[1]

شہادت سنہ ۱۲ھ مین خلیفۂ اولؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت صلعم کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے مجبر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ مین غنیم کے سوارون سے مڈبھیڑ ہو گئی جسمین خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھا، طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا "سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ، یہ مجھے قتل کیے ڈالتا ہے" وہ فارغ ہو چکا تھا اسلیے یکایک ٹوٹ پڑا اور دونون نے اس شیر کو نرغہ مین لے کر شہید کر دیا،[2]

تجہیز و تکفین اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونون شہیدان ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پارون کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہؓ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیرہن کے ساتھ زیر زمین نہان کیا،[3] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضل و کمال فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و سادات صحابہؓ مین شمار تھا، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہین، کان من سادات الصحابۃ وفضلائھم،[4] ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخشدیے جائین گے، انھون نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی "یا رسول اللہ!

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی صفحہ ۶۲ [2] ایضاً صفحہ ۶۵ [3] ایضاً [4] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳

ہین" فرمایا" تم بھی انھین مین ہو" اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا "عکاشہ تم پر سبقت لے گیا" اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہوگیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے "فلان عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا"[۵]

حضرت ابو حذیفہ رض

نام ونسب | ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:
ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی[۱]

اسلام | حضرت ابو حذیفہ رض کے والد عتبہ ان ذی اثر روسائے قریش مین تھے جنھون نے اسلام کی مخالفت مین اپنی پوری طاقت صرف کردی تھی لیکن ارادۂ خداوندی مین کون مانع ہوسکتا ہے، خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہ رض نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جبکہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندان توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کس مپرسی کے ساتھ اسیر پنجۂ ظلم وجفا تھی، آنحضرت صلعم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم رض کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے[۲]

ہجرت | حضرت ابو حذیفہ رض سرزمین حبش کی دونون ہجرتون مین شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رض بھی رفیق سفر تھین، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ رض حبش ہی مین پیدا ہوئے تھے[۳]

حبش سے مکہ واپس آئے، یہان ہجرت مدینہ کی تیاریان ہورہی تھین، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالم رض کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشر رض کے مہمان ہوئے[۴]، آنحضرت صلعم نے

---

[۱] بخاری [۲] اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۱۷۰ [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۵۹ [۴] اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۱۷۰ [۵] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۵۹

ان دونوں میں باہم مواخات کرادی[1]

غزوات | عہد نبوی کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے حضور صا غزوۂ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش وبیگانہ کی تمیز اٹھا دی تھی انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لیے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعار ذیل میں ملامت کی

الاحول الاثعل المشئوم طائرہ ابو حذیفۃ شر الناس فی الدین

احول بڑے دانت والا جس کا طائر بخت شوم ہے یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے،

اما شکرت ابا ربّاک من صغر حتی شببت شبابا غیر محجون

کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی

معرکۂ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈالدیئے گئے تھے، آنحضرت صلعم نے فرداً فرداً نام لے کر فرمایا "اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل!! کیا تم نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا[2]" ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابو حذیفہ کا چہرہ نہایت اداس تھا، آپ نے غمگین دیکھکر پوچھا "ابو حذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے" عرض کی "خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار وصاحب رائے شخص ہے اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جبکہ حضور نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلادیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر سخت افسوس ہوا[3]"

---

[1] استیعاب تذکرۂ ابو حذیفہ، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۵۹

[3] بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ [4] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۱،

شہادت | آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دارالخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

اخلاق | حضرت ابو حذیفہ رضؓ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی، جفاکشی وجوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالم رضؓ ان کی بیوی حضرت ثبیتہ انصاریہ رضؓ کے غلام تھے، انھوں نے ان کو آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے اپنا متبنّٰی بنا لیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے[1]

حضرت ابو حذیفہ رضؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کر دی کہ منھ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کو حضرت سالم رضؓ کا زنانخانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل رضؓ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن اب ابو حذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمھارا محرم ہو جائیگا[2]، غرض اس طرح متبنّٰی ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہوگئے،

حلیہ | یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت چشم احول، سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ،

ازواج | حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، ثبیتہ بنت یعار انصاریہ[3]

اولاد | محمد بن ابی حذیفہ رضؓ حضرت سہلہ رضؓ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، طرفداران امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہ رضؓ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۶۰ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۶۰ [3] بخاری [4] طبقات ابن سعد ص۵۹

حضرت آمنہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لیے حضرت ابوحذیفہ کا سلسلۂ نسل منقطع ہوگیا[1]

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رض

نام نسب | سالم نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ بنت یعار انصاریہ کی غلامی میں مدینہ پہنچے، انھوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابوحذیفہؓ نے ان کو اپنا متبنیٰ کر لیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں[2]

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابوحذیفہؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی "ادعوھم لآبائھم" یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آباء کے انتساب سے پکارا کرو، تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت سالمؓ جوان ہوئے، اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و نبوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تو حضرت ابوحذیفہؓ کو ان کا زنانخانہ میں آنا جانا ناگوار ہونے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن اب ابوحذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمھارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابوحذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہو گئے[3] لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سالم کے لیے مخصوص اجازت تھی، ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۵۹ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۴۵ [3] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم به

ثابت نہین ہوتی[1]،

اسلام و ہجرت حضرت سالمؓ غالباً مکہ مین حضرت ابو حذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انھون نے ابتدا ہی مین لبیک کہا، آنحضرت صلعم نے حضرت عبیدہ بن الجراحؓ سے مواخات کرا دی[2]۔

ہجرت کے موقع مین حضرت ابو حذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچکر حضرت عبّاد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعص انصاریؓ سے مواخات ہوئی[3]،

غزوات غزوۂ بدر، احد، خندق، اور عہد نبوی کی تمام اہم جنگون مین معرکہ آرا تھے، عہد صدیقی مین یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ مین تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا ہمکو تمھاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لیے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائین گے" بولے "اگر مین بزدلی دکھاؤن تو مین سب سے زیادہ بدبخت حاملِ قرآن ہون" یہ کہکر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انھون نے اپنے کو بہترین حاملِ قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ مین داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائین ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونون بازوؤن نے حلقہ مین لیکر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا[4]

وما محمد الا رسول وکاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر (آل عمران ع ۱۵)	محمد صرف ایک رسول ہین، اور کتنے انبیاء ایسے ہین جن کے ہمراہ بہت سے اللہ والون نے جہاد کیا ہے،

شہادت زخمون سے چور ہو کر گرے تو پوچھا "ابو حذیفہ نے کیا کیا؟" لوگون نے کہا شہید ہوئے بولے "اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟" جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے فرمایا "مجھے ان دونون کے درمیان دفن کرنا[5]"

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن حرم بہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۶۱ [3] ایضاً [4] اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۲۴۶ [5] ایضاً

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا "افسوس! رسول اللہ صلعم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا" وہ اپنے لیے ایک گڑھا کھود کر اس مین کھڑے ہوگئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحۂ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سر اپنے منھ بولے باپ (حضرت) ابو حذیفہؓ کے پاؤن پر تھا[1] انا للہ وانا الیہ راجعون،

فضل و کمال | حضرت سالمؓ ان بزرگون مین تھے جو طبقۂ صحابہؓ مین فن قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے[2] آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو یعنی ابن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے[3]، خداے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا کہ جب آیات قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگون پر ایک عام محویت طاری ہوجاتی اور راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے، ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہونے مین دیر ہوگئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولین کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے مین دیر ہوگئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت صلعم خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولی ابی حذیفہ ہین، آپ نے خوش ہو کر فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھارے جیسے شخص کو میری امت مین بنایا"[4]

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی وحفظ قرآن کے باعث صحابۂ کرامؓ مین نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہین کہ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، (حضرت) سالمؓ مسجد قبا مین انکی امامت کرتے تھے[5] وہ مسجد قبا کے امام تھے، مہاجرین اولین جنمین حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۱ [2] بخاری [3] اصابہ تذکرہ سالم [4] بخاری کتاب الصلوۃ باب امامۃ العبد والمولی،

اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے،[1] غرض قرآن کریم کی برکت اور علم وفضل نے اُن کو غیر معمولی عظمت وشرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہانتک کہ جب دم واپسین کے وقت انھون نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا، اگر سالمؓ موجود ہوتے تو مین اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ مین پیش ہونے نہ دیتا، یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے،[2]

اخلاق | حضرت سالمؓ کے قبائے فضل پر محاسنِ اخلاق کا طرہ نہایت خوشنما ہے، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت وفاشعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہل حاجت کے لیے دستِ کرم کشادہ تھا، چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے انھون نے اپنے متروکہ مال و اسباب مین سے ایک ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلامون کی گلوخلاصی کے لیے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤن کے لیے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے ان کی سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انھون نے لینے سے انکار کیا اور بولین کہ مین نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین اس حصہ کو بیت المال مین داخل فرمادیا،[3]

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام نسب | عبیدہ نام، ابو الحارث یا ابو معاویہ کنیت، والد کا نام حارث اور والدہ کا نام سخیلہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی،[4]

اسلام | حضرت عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہ بن اسدؓ، حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ

---

1 بخاری کتاب الاحکام 2 اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۴۶، 3 استیعاب تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ،

4 اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۶،

ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت صلعم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم رض کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے[1] مکہ مین حضرت بلال رض ان کے اسلامی بھائی قرار پائے[2]

ہجرت | مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہ رض اور ان کے دونون بھائی حضرت طفیل رض حضرت حصین رض اور حضرت مسطح بن اثاثہ رض ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ مین حضرت مسطح رض کو بچھو نے ڈنک مارا اس لیے وہ پیچھے چھوٹ گئے لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہین تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہان حضرت عبدالرحمن بن سلمہ عجلانی رض نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت صلعم نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن حمام انصاری رض سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا جس مین ان کا تمام خاندان آباد ہوا[3]

غزوات | ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال مین ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہوکر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لیے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام مین یہ دوسرا لواے امارت تھا جو حضرت عبیدہ رض کو عطا ہوا،

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دوسو مشرکین کی ایک جمعیت سے مٹ بھیڑ ہوئی لیکن جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آئی صرف معمولی طور سے چند تیرون کا تبادلہ ہوا[4]

غزوۂ بدر | اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے میدان مین نکلکر ھل من مبارز کا نعرہ بلند کیا، لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے بڑھے، تو انھون نے پکار کر کہا کہ "محمد" ہم ناجنسون سے نہین لڑ سکتے، ہمارے مقابل والون کو بھیجو، آنحضرت صلعم نے حضرت علی رض

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵ [3] ایضاً [4] ایضاً،

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جنبشِ لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے، چونکہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے اس لیے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدانِ جنگ سے اٹھا لائے[1]۔

حضرت عبیدہؓ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخموں سے چور تھا، آنحضرت صلعم نے تسکین خاطر کیلئے ان کو زانوئے مبارک پر رکھ دیا، انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں[2]،

ونسلمه حتى نصرع حوله   ونذهل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے،

اختتامِ جنگ کے بعد آنحضرت صلعم کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، تریسٹھ برس کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا[3]، انا للہ وانا الیہ راجعون،

فضل و کمال | ان کو دربارِ نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی آنحضرت صلعم ان کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے" فرمایا، یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے[4]؟

حلیہ | یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت[5]،

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ [2] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۵۶ [3] ایضاً صفحہ ۳۵۷ [4] استیعاب تذکرہ عبیدہؓ بن الحارث

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۳۵،

اولاد | حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں[1]

معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابراہیم، ریطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام ونسب | شمّاس نام، والد کا نام عثمان، اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی،

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا، شماس اس لیے نام پڑا کہ ایکدفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جسکا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا، مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن وجمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماسؓ کا ماموں تھا) دعوی کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شمّاس یعنی رخ تاباں موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شمّاس ہوگیا[2]

اسلام | حضرت شمّاسؓ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہؓ نے ابتداہی میں دعوت توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا[3]

ہجرت | مشرکین کے ظلم سے مجبور ہوکر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں سے واپس آکر پھر مدینہ کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے یہاں حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی[4]

غزوات | غزوۂ بدر واحد میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکۂ احد میں جبکہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور صرف چند جاں نثار

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۳ [2] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۷۵ [3] استیعاب تذکرۂ شماس [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۷۵

میدان میں رہ گئے تو حضرت شماس رضؓ بھی انھی پروانوں میں تھے جو شمعِ نبوت کے اردگرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ میں شماس کے لیے "سپر" کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ و راست جس طرف دیکھتے حضرت شماس رضؓ ہی سربکف نظر آتے، غرض انھوں نے اپنے آپ کو مہبطِ وحی و الہامؐ کے لیے سپر بنایا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے، اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دمِ واپسیں کے چند انفاس باقی تھے، آنحضرت صلعم کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمار داری پر مامور ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربار خداوندی سے حصولِ انعام کی دعوت آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انھوں نے داعیِ حق کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، آنحضرت صلعم نے ان کو اسی خونین پیرہن کے ساتھ بغیر نمازِ جنازہ احد کے گورِ شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا،[1] غرض چونتیس برس کی عمر میں سپردِ خاک ہوئے،[2] انا للہ وانا الیہ راجعون،

حلیہ | حضرت شماس رضؓ نہایت حسین و خوبرو تھے، چنانچہ اسی تابانی رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا،[3]

اولاد | ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لیے سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا،[4]

حضرت شجاع بن وہب رضؓ

نام و نسب | شجاع نام، ابو وہب کنیت، والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، شجاع بن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ، ایامِ جاہلیت

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۶ [3] ایضاً ص ۱۷۵ [4] ایضاً

میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا[1]،

اسلام و ہجرت حضرت شجاع[2] ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ تظلم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے[3]،

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریشِ مکہ نے آنحضرت صلعم کے سامنے گردن اطاعت خم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی لیکن یہاں پہنچکر افواہ غلط ثابت ہوئی اسلیے چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے یہاں حضرت اوس بن خولیؓ سے مواخات ہوئی[4]،

غزوات بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے[5] ماہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام رسی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لے کر دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان پر جا پڑے اور شکست دیکر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا[6]،

سفارت غزوۂ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلعم نے اکثر سلاطین عالم کے پاس دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے[7]،

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۳۸۶ [2] اصابہ ج ۳ صفحہ ۱۳۸ [3] استیعاب تذکرہ شجاع [4] ایضاً [5] طبقات ابن سعد حصہ مغازی صفحہ ۹۲ [6] زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۵۹،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی الحارث بن ابی شمر

سلام علی من اتبع الھدی

وآمن بہ وصدق وانی ادعوک

الی ان تؤمن باللہ وحدہ لا شریک لہ

یبقی لک ملکک۔

نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان و رحیم ہے، محمد رسول خدا کی

طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت

کی پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک

میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو

ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں)

تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی،

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر "مری" نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہ نبوت میں پیام و سلام بھیجکر پوشیدہ طور سے [illegible] کی خبر دی۔

حضرت شجاعؓ چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

[illegible] نہایت [illegible]

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب: محرز نام، ابو نضلہ کنیت ہے، لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، محرز بن نضلہ بن عبداللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی، ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت: قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں، مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلہ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمارہ بن حزمؓ سے

[illegible] ایضاً [illegible] اسد الغابہ ج ۴ [illegible]

اسلامی بھائی چارہ ہوا[1]،

غزوات | غزوۂ بدر، احد اور خندق مین جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوۂ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے[2]، اسکی تفصیل یہ ہے،

شہادت | سنہ ۶ھ مین بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ مین آنحضرت صلعم کے اونٹون پر چھاپہ مارا اور گلہ بان کو قتل کرکے اونٹون کو اپنے ساتھ لے چلے، حضرت سلمہ بن الاکوع رضؓ موقع واردات کے قریب موجود تھے، انھون نے آنحضرت صلعم کے غلام حضرت رباح رضؓ کو گھوڑے پر سوار کرکے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھکر یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا تیرون اور پتھرون سے ان غارتگرون کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثنا مین درختون کے جھنڈ سے آنحضرت صلعم کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت احزم اسدی رضؓ یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری رضؓ اور حضرت مقداد بن اسود رضؓ تھے، حضرت سلمہ رضؓ نے حضرت احزم رضؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا "احزم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت صلعم اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دیگا" بولے "سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت مین حائل نہ ہو" یہ جملہ کچھ اس جوش سے ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہ رضؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انھون نے ایک ایسا وار کیا کہ عبدالرحمن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا، حضرت محرز رضؓ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم حضرت ابو قتادہ رضؓ پیچھے موجود تھے انھون نے اس کو واصل جہنم کرکے ان کا انتقام لیا[3]،

شہادت کے وقت حضرت محرز بن نضلہ رضؓ کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی[4]،

---

[1] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ صفحہ ۶۷، [2] ایضاً [3] مسلم ج ۲ باب غزوۂ ذی قرد [4] اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۳۰۷،

فضل و کمال | گزشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوقِ شہادت کا اندازہ ہوا ہوگا، شہادت سے چند دن پہلے انھون نے خواب مین دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتوین آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہین، یہان ان سے کہا گیا کہ یہی تمھارا مسکن ہے،

دوسرے روز انھون نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیرِ رویا مین کمال رکھتے تھے اس خواب کو بیان کیا، انھون نے فرمایا "احزم! تمھین شہادت کی بشارت ہو" چنانچہ چند ہی دنون کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوۂ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن مین پہنچا دیا۔[1]

حلیہ | رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے۔[2]

حضرت شقران صالح

نام و نسب | صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام عدی تھا، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی مین بھی سیادت مقدر تھی، رسولِ خدا صلعم نے ان کو اپنی خدمتگذاری کے لیے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمٰن رض کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا۔[3]

غزوات مین عموماً مالِ غنیمت اور قیدیون کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے اور غنیمت مین حصہ پانے کے بجائے جنگی قیدیون کی نگرانی کرتے تھے وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مالِ غنیمت مین حصہ پانے والون سے بھی زیادہ نفع مین رہے

۱؎ طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۶۳ ۲؎ ایضاً ۳؎ اصابہ ج ۲ ص ۱۵۳ ۴؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴

غزوۂ بدر میں انھوں نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت صلعم نے خوش ہوکر آزاد فرما دیا،

غزوۂ مریسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب سامان جنگ بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے[1]

آنحضرت صلعم ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران حضرت خیر الانام صلعم کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے[2] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جان نثار نے اپنے شفیق آقا کے لیئے انجام دی،

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت شقران نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزین ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا،[3] اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں،

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاصؓ

نام ونسب | عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمیر بن ابی وقاص بن وہیب بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی[4]

اسلام | حضرت عمیرؓ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنھوں نے ابتداہی میں داعیِ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیرؓ گو نہایت کمسن تھے تاہم

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۳۴ [2] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۲ [3] اصابہ ج ۲ صفحہ ۱۵۳ [4] اسد الغابہ تذکرۂ عمیر بن ابی وقاص،

فطری سلامت طبع وخرد حق شناس عمر کی قید وبند سے آزاد ہوتی ہے، انھون نے اس عہد طفولیت
مین بھائی کا ساتھ دیا اور ساقیِ اسلام ؐ کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کردیا۔[۱]

ہجرت ۱۴ برس کا سن تھا کہ عام بلاکشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، آنحضرت صلعم نے ان کی دلبستگی کیلئے حضرت سعد بن معاذ ؓ رئیس قبیلۂ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذ ؓ سے بھائی چارہ کرادیا، یہ دونون تقریباً ہم سن تھے۔[۲]

غزوۂ بدر سنہ ۲ھ مین مجاہدینِ اسلام غزوۂ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع مین پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے یہ دیکھکر کہ وہ مضطرب وبیقرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہین، پوچھا "جان برادر یہ کیا ہے؟" بولے "بھائی جان! مین بھی اس جنگ مین شریک ہونا چاہتا ہون، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسول خدا صلعم مجھے چھوٹا سمجھکر واپس فرما دینگے"[۳]

آنحضرت صلعم کے سامنے جب تمام جان نثار یکے بادیگرے معائنہ کے لیے پیش ہوئے تو حضرت عمیر ؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کی صغرسنی کا خیال کرکے فرمایا "تم واپس جاؤ" حضرت عمیر ؓ یہ سنکر بے اختیار رونے لگے اس طفلانہ گریۂ وبکا کے ساتھ ان کے وفور جوش اور شوقِ شہادت نے حضور انور صلعم کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ مین شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت صلعم نے خود اپنے دست مبارک سے انکے تلوار باندھی۔[۴]

شہادت حضرت عمیر ؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان مین تلوار باندھ دی، اور وفور جوش نے کفار کے نرغہ مین گھسا دیا،

---

[۱] اسد الغابہ تذکرۂ عمیر بن ابی وقاص [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۰۲ [۳] ایضاً [۴] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۸۸

دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پوری کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

حضرت عامر بن ربیعہ رض

نام نسب | عامر نام، ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔ عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبداللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل، ان کے سلسلۂ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں، عنز وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جنکی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد خاص و عام ہیں[2]

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنھوں نے فرط محبت سے حضرت عامرؓ کو متبنیٰ کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباء واجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے[3]

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے، اسی طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو جانشین کر کے حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس سفر میں بھی ان کو اپنا رفیق بنایا[4]

اسلام | حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتداہی میں داعیٔ توحید

[1] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ [2] اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۸۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۲۸۵ [4] اصابہ ج ۴ صفحہ ۲۴۶

کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلعم ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے

ہجرت شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دست تظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے رہنے نہ دیا، دو دفعہ اپنی زوجۂ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آکر سرزمین یثرب کی راہ لی، ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حثمہؓ کو عورتوں میں اولیت کا شرف حاصل ہے[۱]

غزوات بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب تھے، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے، اور نہایت جفاکشی و جانبازی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ رسول اللہ صلعم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامان رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں عطا کر دیتے تھے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھیں، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی، حضرت عبداللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا "ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟" فرمایا "جان پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لیے بھی ترس جاتے تھے"[۲]

عزلت نشینی و وفات حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایت تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی

۱؎ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۸۲ ۳؎ مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۴۴۴

دن، رات روزہ، نماز اور درود وظائف مین مشغول رہتے، ایک رات دیر تک مصروفِ عبادت رہے، یہان تک کہ اسی حالت مین آنکھ لگ گئی تو خواب مین بشارت ہوئی "اٹھ! خدا سے دعا کر وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندون کو محفوظ رکھا ہے"

حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کرکے نہایت خشوع وخضوع سے بارگاہِ رب الحاجات مین دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا یہان تک کہ اسی حالت مین بیمار ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنون بعد وفات پائی، عزلت نشینی کے باعث لوگون کو یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی، یکایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے۔[1]

اخلاق قدامتِ ایمان اور رسولِ خدا صلعم کے شرفِ صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی، تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا،

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۳ قسم اول صفحہ ۲۸۱

سیرۃ النبی صلعم

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات، اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے رطب و یابس واقعات تاریخ و سیر کی کتابون مین مذکور ہین لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اس قسم کی تمام روایتون سے قطع نظر کر لیگئی ہی اور صرف وہ واقعات بیان کئے گئے ہین جو قرآن مجید اور احادیث مین مذکور ہین اور جنکی صحت [illegible] گنجایش نہین، تاریخ و سیر سے بھی وہی واقعات لیے گئے ہین جنکی صحت پر عقلی و نقلی [illegible]

[illegible] حصے اور باقی ہین پہلے حصے مین ولادت سے لیکر فتح مکہ تک [illegible] مقدمہ لکھا گیا ہے جسمین سیرت کی کتابون کی تنقید کیگئی ہے، اور انکی خصوصیات بیان کی [illegible] اصولی مباحث مذکور ہین، دوسرے حصہ مین آپ کی وفات، آپکے اخلاق [illegible] مفصل بیان ہے، اور یہ حصہ تمامتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے،

تیسرے حصہ مین آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہی اسمین سب سے پہلے عقلی [illegible] متعدد اصولی بحثین کیگئی ہین، پھر ان معجزات کی تفصیل ہی جو بروایت صحیحہ ثابت ہین، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد ۳ روپئے ۸ آنہ ولایتی حصہ دوم تقطیع کلان ۸ عہ حصہ دوم تقطیع خورد ۵ روپے ۸ حصہ سوم تقطیع کلان ۸ روپئے ۸

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ